MUT T...

۲۹۲

۴۴ بارگاہِ خسروی جہاں پناہی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

CHECKED

رسالۂ نصاب سجادگان موسوم بنامِ تاریخی

Checked 1987

CHECKED 1995

ہدایاتِ شیوخ

۱۳۰۱ھ

جسکو

عالیجناب تقدس مآب حضرت مولٰنا فضیلت جنگ علیہ الرحمہ سابق صدر الصدور صوبجات دکن نے

تالیف کرایا تھا

اور جو بعد وفات حضرت موصوف بعد پسندیدگی مجلس علماء و مشایخین حسب فرمان عطوفت نشان مبارک

دار الطبع سرکار عالی میں چھپا اور

محکمۂ صدارت العالیہ سرکار عالی واقع اندرون چادرگھاٹ حیدرآباد دکن سے شایع ہوا

اهداء وتقدمة

بعد ان استتب امر تاليف الرسالة وعرضها على نخبة مخصوصة من الاعيان و حصل الجواز منهم على صحتها سنح لي ان اجعلها تقدمة وهدية الى الحضرة العلية المقدسة لمن هو البدر التمام في سماء الملك والرياسة والشهم الهمام في التدبير والسياسة الملكية الملك المكرم والرئيس المفخم ناصر الاسلام والمسلمين محي الملة والدين السلطان ابن السلطان والخاقان ابن الخاقان النواب مير عثمان عليخان بهادر نظام الملك آصفجاه السابع خلد الله ملكه وسلطنته وايد الله عزه واقباله ومملكته

فالمرجو

من عنايته العلية ومراحمه الملوكية ان يمنح الاجازة الكريمة لان تعنون هذه الرسالة

(باسمه السامي هذا ومن حق ملك كريم قسم)

سوالات مشروط امتحان سجادگی مع جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔
ایاک نعبد وایاک نستعین۔ اھدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم
ولا الضالین۔ آمین

اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وعلی آل محمد
کما صلیت وسلمت وبارکت علی سیدنا ابراھیم وعلی آل
سیدنا ابراھیم انک حمید مجید

امّا بعد

فهذا ما اتیح لی و تیسر افیض علیّ من حضرة الرحمن الملک المستعان عزّ و جلّ بجاہ سید المرسلین معلم علوم الاولین والآخرین واتباعه الکرام والسادة العظام صلی الله وسلم علیه و علیهم اجمعین من ترتیب رسالة نافعة لمن یروم تحقیق المعارف والاسرار المأثورة عن السلف الاخیار والصوفیة الابرار قدس الله اسرارهم باشارة سمو حضرة المرحوم شیخ الاسلام و صدر الصدور و معین المهام فی الامور المذهبیة ممالک النظام مولانا الحاج الحافظ المحقق المولوی محمد انوار الله خان بهادر نور الله مرقده ثم اعتنی بها و تنی عطفه الیها سمو حضرة الفاضل الشهم الباذل عمدة الاعیان و زبدة اشراف الزمان شیخ الاسلام فی الملکة الآصفیة صدر الصدور فی الامور المذهبیة مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن خان الشروانی لازالت ایامه محفوفة بالامانی بحرمة القرآن المجید و السبع المثانی۔

هذا وانا معترف بقصور باعی و فتور یراعی و الله المسؤل ان یفیدها کافة الانام لاسیما الشیوخ الکرام فی ممالک النظام و یصوننی عن الخطل و مزلات الاقدام

وہو الموفق للسداد وعلیہ التکلان والاعتماد۔

وانا تراب نعال حضرات القادریۃ الشطاریۃ

العبد الضعیف الاثم

سید شاہ محمد ابو القاسم کان اللہ

مقام

احاطہ موسیٰ باؤلی۔ حسینی علم

سوالات مع جوابات متعلقہ امتحانِ پنجابگی

س (۱) - اِسلام - ایمان - احسان - کی مجمل تعریف کیجئے -

ج (۱) - جاننا چاہیئے کہ تیمناً و تبرکاً اس حدیث کو یہاں نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں یہ تینوں لفظ مع اُنکی تعریف کے وارد ہیں وہو ہذا اخرجہ البخاری وسلم -

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
بینا نحن عند رسول اللہ صلی اللہ کہ ایکدن کا ذکر ہے کہ ہم حضرت رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم ذات یوم اذ طلع علینا علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے - یکایک ایک
رجل شدید بیاض الثیاب شدید شخص نہایت سفید کپڑوں والا اور خوب
سواد الشعر لا یریٰ علیہ اثر السفر کالے بالوں والا جسکی ہیئت سے سفر کی کوئی
ولا یعرفہ منا احد حتی جلس علامت نہیں معلوم ہوتی تھی اور نہ ہمارے

الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی اُسے پہچانتا تھا حاضر ہوا اور حضور اکرم
فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ ووضع صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے
کفیہ علی فخذیہ وقال یا محمد زانوئے حضور کے زانوئے مبارک سے ملا کر اور
اخبرنی عن الاسلام فقال الاسلام اپنے ہاتھ حضور کے مبارک رانوں پر
ان تشھد ان لا الہ الا اللہ وان رکھکر کہنے لگا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم
محمدا رسول اللہ وتقیم الصلوٰۃ مجھے بتائیے کہ اسلام کسے کہتے ہیں
وتوتی الزکاۃ وتصوم رمضان آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو
وتحج البیت ان استطعت الیہ کہ خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں اور محمد
سبیلا قال صدقت فعجبنا لہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور یہ کہ تم نماز ہمیشہ
یسئلہ ویصدقہ قال فاخبرنی پڑھا کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے
عن الایمان قال ان تؤمن باللہ و روزے رکھو اور حج کی طاقت ہو تو حج ادا کرو۔
ملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں (حضرت عمرؓ
الاخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ کہتے ہیں ہمکو تعجب ہوا کہ خود ہی پوچھتا ہے اور خود ہی تصدیق

قال صدقت قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک الخ

کرتا ہے پھر کہا کہ ایمان کیا ہے بتائیے آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم یقین کرو خدا کا اور اسکے فرشتوں کا اور اسکی منزل کتابوں کا اور اسکے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا اور بھلی بری تقدیر کا عرض کیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں پھر کہا کہ بتائیے احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم خدا کی اسطرح عبادت کرو گو یا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو اگر تم اُسے نہ دیکھ سکو تو یوں سمجھو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ الخ

اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ ہمارے دین پاک کے تین مدارج ہیں ایک ابتدائی دوسرا متوسط۔ تیسرا اعلیٰ۔ ابتدائی درجہ اس دین پاک کا اسلام ہے۔ اور متوسط ایمان اور اعلیٰ احسان۔

درجہ اسلام اسلام کے معنی لغت میں اطاعت اور سر تسلیم خم کرنیکے ہیں لہذا اسلام کی

تعریف یہ ہوئی کہ احکام خدا اور رسول پر گردن جھکانا اور اونکو تسلیم کرلینا اس درجہ
پانچ چیزیں ضروری قرار دیگئی ہیں جو بطور علامت کے ہیں اور جنکے تسلیم کئے بغیر
اس دین کا اطلاق کسی پر درست نہیں ہو سکتا۔

(۱) اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوائے کوئی معبود برحق یعنے پرستش کے لائق نہیں
اور حضور اکرم محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم اسکے رسول برحق ہیں۔

(۲) نماز کی روزانہ پانچوں وقت پابندی۔

(۳) زکات کا سالانہ ادا کرنا۔ یعنے ضروریات خانگی سے بچے ہوئے نقد روپیہ سے
تقریباً ڈھائی فیصدی اور دیگر اقسام اموال میں حسب احکام فقہی مفصلہ کتب فقہ
(یہ دیگر اپنے ہم مذہب حاجتمندوں کی حاجت براری کیلئے ہے)۔

(۴) رمضان کے پورے مہینے کے روزے۔

(۵) اگر حسب شروط احکام فقہی مسطورہ کتب فقہ استطاعت حاصل ہو تو عمر میں ایکبار
حج ادا کرنا۔

ف) واضح ہو کہ اس درجہ کا تعلق ظاہری سیاست اسلامی پر مبنی ہے یعنے حاکم اسلام

یا قاضی کے پاس وہی شخص مسلم قرار پائیگا جو ان پانچوں امور کو تسلیم کرے۔ خواہ دل سے وہ تصدیق کرے یا کسی مصلحت دنیاوی کی بنا پر۔ منافقوں کو جو دل سے اسلام کے منکر اور [illegible] دنیا کے پابند ہوں دائرہ اسلام میں شریک سمجھا جاتا ہے۔ اور اسکے ساتھ کافروں کی طرح برتاؤ نہیں کیا جاتا غرضکہ یہ درجہ دین کا سب کیلئے عام ہے اور یہ نجات اخروی کیلئے عند اللہ کافی نہیں جبتک کہ اسکے ساتھ ایمان یعنی تصدیق قلبی نہ ہو جسکا ذکر آئندہ آتا ہے ہاں البتہ یہ احتساباً و قضائتاً عند الناس نجات دنیوی کے لئے کافی ہے کہ اس سے ایسے شخص کی جان و مال و متاع و آبرو مثل مومن کے محفوظ ہو جاتی ہے اور وہ کفر کے مواخذہ سے بچ جاتا ہے۔

درجۂ ایمان | لغت عربی میں اسکے معنی دلی تصدیق اور یقین کرنے کے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس سے ایک منافق اور سچا مسلمان دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہو سکتے ہیں۔ اور یہی نجات اخروی کیلئے عند اللہ ضروری ہے اور وہ حسب ذیل امور کا دل سے یقین کرنا ہے:

(۱) خدا اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔

(۲) اُسکے فرشتے برحق ہیں جو ایک قسم کی نورانی مخلوق ہے جو خدا کے احکام پر دواماً بلا سرمو فرق کے قایم ہیں۔

(۳) اسکے سب رسول اور پیغمبر برحق ہیں اور وہ اسکے مقبول اور برگزیدہ بندے ہیں جنکو خدا نے دنیا کی ہر ایک قوم میں سے اونکی دینی اور دنیوی ہدایت اور اصلاح کیلئے منتخب فرمالیا تھا اور اُنپر کتابیں یا احکام نازل فرمائے ہیں۔

(۴) اسکی الہام کی ہوئی کتابیں وصحف جو اسکے نبیوں کو دیگئی ہیں یہ سب حق ہیں مثلاً توریت حضرت موسیٰؑ کو اور زبور حضرت داؤدؑ کو اور انجیل حضرت عیسیٰؑ کو اور قرآن پاک ہمارے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے صحف دیگر انبیاء علیہم السلام کو۔

(۵) قیامت حق ہے جسمیں دنیا کے کئے ہوئے اعمال واقوال کا بخوبی بدلہ دیا جائیگا۔

(۶) تقدیر کا معاملہ بالکل حق ہے یعنے دنیاوی زندگی میں جو جو باتیں انسان کو اچھی یا بُری پیش آتی ہیں وہ سب خدا ہی کیطرف سے ہیں۔

ف واضح رہے کہ نجات اُخروی اوسیکو حاصل ہوسکتی ہے جسے ایمان و تصدیق قلبی

اور اسلام نصیب ہو۔ چنانچہ اسی ایمان کے نہونے سے منافقوں کو باوجود انکے ظاہری احکام اسلام کے دائرہ میں شریک رہنے کے انکو فی الدرک الاسفل من النار اور کافروں سے بدتر فرمایا گیا ہے نیز قرآن مجید میں ان اعرابیوں یعنے دیہاتی بدویوں کو سرزنش کیگئی ہے جو امنّا کہکر ادعائے ایمان کرتے تھے قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم یعنے بدو کہتے ہیں ہم ایمان لائے کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان نہیں پہونچا۔

درجۂ احسان لغت میں احسان کے معنی نیکوکاری اور اچھا کام کرنیکے ہیں اور خدا کے ہاں سب سے اچھا کام وہی متصور ہو سکتا ہے جسکے لئے انسان دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی معرفت حاصل کرے اور اوسکے صفات و اخلاق سے متصف ہو کر اپنے آپ کو سچا خلیفہ اور جانشین زمین پر ثابت کرے یعنے انسان کامل بنے اسی خلافت و کمال کا حاصل کرنا جسے اصطلاح میں **تصوف و علم طریقت** کہتے ہیں اس دین پاک کا درجۂ احسان ہے

اور اسکا خلاصہ بزرگان دین کے نزدیک تصحیح خیال مع اللہ واصلاح نیت
فی الاعمال لکھا ہے ۔ یعنے جو اعمال کئے جاویں وہ خالصاً مخلصاً خاص خدا کیلئے
کئے جاویں اور یہ سمجھکر کئے جاویں کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور ہم اُسے دیکھ رہے ہیں
یا وہ ہمیں دیکھ رہا ہے غرضکہ ہر کام میں بلکہ ہر آن میں اس حضوری ورابطہ قلبی مع اللہ کا
پیدا کرنا ہی اصلی غایت اس دین پاک کی اور یہی منزل مقصود صوفی اور سالک کی ہے
اور سارے طریقے عبادت کے سب اسی مطلب کیلئے شروع کئے گئے ہیں

س (۲) ارکان اسلام کیا ہیں ؟

ج (۲) اسکے قبل حدیث ارکان اسلام کی تشریح کے ضمن میں معلوم ہوچکا
ہے کہ یہ کل پانچ ہیں (۱) کلمہ شہادت (۲) نماز (۳) زکوۃ (۴) روزہ (۵) حج ۔

س (۳) ایمان تفصیلی کیا ہے ۔

ج (۳) حدیث کی تشریح میں صراحت ہوچکی ہے کہ وہ چھہ امور ذیل کا دل سے
یقین کرنا تفصیلی ایمان ہے ۔

(۱) خدا کی وحدانیت (۲) فرشتوں کا وجود (۳) کتب وصحف سماویہ کی حقانیت ۔

(۴) تمام انبیاء و مرسلین کی صداقت (۵) روز قیامت اور اسکی جزا اور سزا کی سچائی۔
(۶) تقدیر خداوندی اور ہر خیر و شر کے خدا کی طرف سے ہونیکی حقیت۔

س (۴) شریعت کی تعریف کیا ہے۔

ج (۴) شریعت اُس مجموعہ احکام خدا و رسول کا نام ہے جو قرآن و احادیث صحیحہ میں مسطور ہیں جسپر عمل پیرا ہونے سے دنیا و آخرت کی فلاح و بہبودی اور روحانی و جسمانی و تمدنی و مذہبی ترقی و کامیابی انسان کو نصیب ہوتی ہے اور جسپر عمل نہ کرنے سے دونوں جہاں کی خرابی اور بربادی اور گھاٹا نقصان متصور ہوتا ہے گویا شریعت ایک شاہراہ عام ہے جسپر چلنے سے منزل مقصود کو پہونچنا ممکن اور یقینی ہے اور اسکو چھوڑنا موجب حیرانی و پریشانی ہے شریعت ان چار چیزوں پر مبنی ہے۔

کتاب اللہ[۱] یعنے قرآن و حدیث[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ و اجماع[۳] و قیاس[۴]

س (۵) شریعت میں ائمہ اربعہ کا کیا رتبہ ہے اور انکے نام کیا ہیں۔

ج (۵) ائمہ اربعہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین ہیں اور قانون شریعت کے مدونین و شارحین جنکے

اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمہ اللہ مشہور بہ امام اعظم رحمہ اللہ آپ حنفیوں کے امام ہیں اور آپکا مذہب سنی مسلمانوں میں سب سے زیادہ رائج ہے خصوصاً روم و شام و ایران و خراسان و ماوراء النہر یعنے موجودہ روسی ترکستان بخارا و سمرقند اور افغانستان اور ہندوستان میں یہی مذہب رائج ہے۔ دوسرے مذاہب ان ملکوں میں خال خال ہیں۔

(۲) ابو عبداللہ مالک بن انس المدنی رحمۃ اللہ علیہ مالکیوں کے امام ہیں شمالی افریقہ یعنے ملک مغرب کے مسلمان انہی کے پیرو ہیں۔

(۳) ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ شافعیوں کے امام ہیں اور انکا مذہب مصر و شام، عراق، عربستان میں زیادہ تر رائج ہے۔

(۴) ابو عبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ آپ ہی کے طرف حنبلیوں کی نسبت ہوتی ہے اور آپ کا مذہب سب سے کم شایع ہے بلکہ فقط عراق عرب میں کی زیادہ تر پایا جاتا ہے ان حضرات نے للہ قرآن و حدیث کے سمجھنے اور سمجھانے میں

اپنی عمریں صرف کردیں اور انکے مذہب پر اکثر بزرگان دین کا اتفاق ہوچکا ہے اسکے لحاظ سے انکے مذاہب پر عمل کرنا گویا قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہے اور یہ چاروں ائمہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ظاہری اسلام میں نائب ہیں والنائب کالمنیب۔

س (۶) طریقت کی کیا تعریف ہے؟

ج (۶) لغت میں طریقت اس راستے کو کہتے ہیں جو آدمیوں کے چلنے سے انکے نشانات قدم سے بنتا ہے اور عرف و اصطلاح صوفیہ میں طریقت اس راستہ کو کہتے ہیں جو صوفی وسالک کو اپنی منزل مقصود قرب و وصال کو پہونچنے کیلئے شاہ راہ شریعت پر چلنے سے اسکے نقش قدم (عمل) سے بنتا ہے یعنی شریعت ایک شاہ راہ عام سے مشابہ ہے اور طریقت وہ راستہ ہے جو صوفی وسالک کے شاہ راہ شریعت پر چلنے سے اس کے نشانات قدم (عمل) سے بنتا ہے۔

س (۷) معرفت وحقیقت کی تعریف کیا ہے؟

ج (۷) خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کو حسب رہنمائی شریعت کما ینبغی شناخت

نام معرفت ہے اور اس معرفت سے عارف کو خود اپنی اور ساری کائنات کی
حقیقت ہویدا ہو جاتی ہے جس سے متحقق ہو کر وہ انسان کامل اور خلیفۃ الرحمن
بنتا ہے اور یہی اصلی غرض خلق انسان کی ہے اور اسی منزل مقصود کیلئے
یہ ساری تگ و پو ہے۔

س (۸) اصطلاح صوفیہ کرام میں سلوک سے کیا مراد؟

ج (۸) شریعت ایک شاہ راہ عام ہے اور طریقت اسی شاہ راہ شریعت پر سالک کے
چلنے سے جو اسکے نشانات قدم (عمل) سے جو راہ بنتی ہے اسکا نام طریقت ہے
جو منزل مقصود معرفت و حقیقت تک پہونچاتی ہے اور منزل مقصود تک پہونچنے کیلئے
چلنے کا نام سیر و سلوک ہے اور سلوک درحقیقت شریعت پر پوری طرح عمل کرنے کا
نام ہے مگر یہ عمل کرنا ایک خاص قسم کا عمل کرنا ہوتا ہے جو ذات سالک اور خدائے تعالیٰ
کے مابین ایک خاص نسبت و لگاؤ کیساتھ ہوتا ہے۔

چنانچہ ارشاد قرآنی ہے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ یعنے ہر دن و ہر آن وہ ایک
نئی شان میں جلوہ پذیر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر ایک کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی ہر آن ایک

نت نئی تجلی اور شان ہوتی ہے جو اسکی رہنما و مربی ہوتی ہے نیز ارشاد ہے
کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ وَرَبُّکَ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا یعنے
ہر ایک شخص اپنے اپنے خاص طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے اور تمہارا پروردگار خوب
واقف ہے کہ کون زیادہ راہ ہدایت پر ہے نیز فرماتا ہے وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ
ھُوَ مُوَلِّیْھَا یعنے ہر ایک کا ایک خاص رخ و طریقہ ہے جسکی طرف وہ رخ کرتا ہے
فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ پس سبقت کرو نیک راہوں کی طرف اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا
یعنے سب کا منزل مقصود ایک ہی ہے ان راہوں کے اختلاف سے کچھ
مضائقہ نہیں۔

س (۹) چار طریقے کون سے ہیں اور وہ کن کی طرف منسوب ہیں؟

ج (۹) اصطلاح و عرف کے لحاظ سے چار طریقے جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں قادریہ
چشتیہ نقشبندیہ۔ سہروردیہ پہلا حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی
قطب ربانی حضرت شیخ ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ
کی طرف منسوب ہے اور اسی کو ملقب جیلانی بھی کہتے ہیں خصوصاً عرب میں اسی نام سے

شہور ہے۔

(۲) دوسرا حضرت قطب الہند خواجہ خواجگان خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی علیہ الرحمہ کیطرف منسوب ہے۔

(۳) تیسرا حضرت خواجہ بہاؤ الدین سید محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کیطرف منسوب ہے جنکا مزار بخارا میں ہے۔

(۴) چوتھا حضرت خواجہ شہاب الدین ابو حفص عمر السہروردی رحمۃ اللہ علیہ کیطرف منسوب ہے جنکا مزار عراق عرب میں ہے۔

ف اسکے علاوہ ایک قدیم اصطلاح بھی ہے جسمیں چار طریقے اور چار پیر سے مراد حسب ذیل ہوا کرتی ہے۔

یعنے حضرت شاہ ولایت مولی المومنین والمومنات سیدنا علی بن ابیطالب کرم اللہ وجہہ کے چار خلفاء چار پیر کہلاتے ہیں خلیفہ اول حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سوم حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ

چہارم۔ حضرت خواجہ کمیل بن زیاد رضی اللہ عنہ

س (۱۰) خانوادے کتنے ہیں اور وہ کن کی طرف منسوب ہیں؟

ج (۱۰) چودہ ہیں اور وہ حضرات خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کے دو خلیفوں حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچتے ہیں۔ پانچ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید تک اور (۹) حضرت خواجہ حبیب عجمی تک۔ اول الذکر حسب ذیل ہیں

(۱) زیدیہ خاص حضرت عبدالواحد بن زید کی طرف منسوب ہے۔

(۲) عیاضیہ حضرت فضیل بن عیاض کی طرف منسوب ہے۔

(۳) ادہمیہ حضرت ابراہیم بن ادہم سے منسوب ہے۔

(۴) ہبیریہ حضرت خواجہ ابوہبیرہ بصری سے منسوب ہے۔

(۵) حذیفیہ خواجہ ابو احمد ابدال چشتی کی طرف منسوب۔ اور (۹) ثانی الذکر حسب ذیل ہیں

(۱) حبیبیہ خاص حضرت حبیب عجمی کی طرف منسوب ہے۔

(۲) طیفوریہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے۔

(۳) کرخیہ حضرت خواجہ معروف کرخیؒ کی طرف۔

(۴) سقطیہ حضرت خواجہ سرّی بن مغلس السقطی رحمۃ اللہ علیہ کیطرف۔

(۵) جنیدیہ حضرت خواجہ جنیدؒ بغدادی کیطرف۔

(۶) گازرونیہ حضرت خواجہ گازرونیؒ کی طرف۔

(۷) طوسیہ حضرت خواجہ طوسیؒ کی طرف۔

(۸) فردوسیہ حضرت خواجہ فردوسیؒ کی طرف۔

(۹) سہروردیہ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ کی طرف۔

س (۱۱) مذکورۂ بالا تمام طریقے کن کن صحابہ سے جاری ہوئے ہیں۔

ج (۱۱) یہ سب طریقے حضرت شاہ ولایت سیدنا ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے جاری ہوئے ہیں سوائے ایک طریقہ نقشبندیہ کے کہ یہ حضرت خلیفہ اول سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہٗ سے جاری ہے

س (۱۲) امامت کی کیا تعریف ہے اور اُس کے اقسام اور شرائط کیا ہیں؟

ج (۱۲) امامت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک امامت کبریٰ دوسری امامت صغریٰ۔

امامت کبریٰ وہ منصب شرعی ہے جس سے مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی امور کا انتظام متعلق ہو۔ جس سے مقصود ریاست یا فصل خصومات اور اجرائی حدود و قصاص وغیرہ امور ہیں۔

امامت نماز اس امامت کبریٰ کی ایک شاخ ہے۔ امامت کبریٰ کا تقرر انقراض عہد نبوی کے بعد سے مسلمانوں پر واجب ہے اس کے بغیر مسلمانوں میں حدود اور قصاص کا اجرا اور جہاد کیلئے لشکر کی ترتیب وغیرہ دینی اور دنیاوی امور کا انتظام ناممکن ہے امام کیلئے حسب ذیل شروط کا پایا جانا ضروری ہے۔

عاقل ہو۔ آزاد ہو۔ مرد ہو۔ عادل ہو۔ شجیع ہو۔ قوت اجتہادی رکھتا ہو۔ رائے صائب رکھتا ہو۔ قریشی ہو۔ لیکن بعضوں نے امام کیلئے قریشی ہونیکی شرط کو ضروری نہیں سمجھا ہے بدلیل اس حدیث شریف کے اطیعوا الامیر علیکم عبد حبشی یعنے اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام تمہارا امیر ہو بلکہ اولویت کی شرط ہے

امامت کی دوسری شق یعنے امامت صغریٰ سے مراد علماء اور صوفیہ ہیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو بحکم العلماء ورثۃ الانبیاء و بفحوائے

فضل العالم علی غیرہ کفضل النبی علی امتہ وارثان علم نبوی اور
قوم کے سردار ہوتے ہیں ان سے سالکان راہ خدا کی ظاہری و باطنی
تعلیم متعلق ہوتی ہے اس کتاب کے اغراض کے لحاظ سے جس امامت
کی تعریف مقصود ہے وہ اسی امامت صغریٰ کی تعریف ہے۔
حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے فتاوی عزیزیہ میں اس
بیعت کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہیکہ بیعت کے معنی اصطلاح اہل تصوف
میں عقیدت کا ہاتھ مرشد کے ہاتھ میں دینا ہے۔ اس امامت
یعنے مشیخت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیخ علوم ظاہری و باطنی کا جامع ہو
چنانچہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے
تصوف کو اختیار کیا اور فقہ کو چھوڑا زندیق ہوا اور جس نے
فقہ کو اختیار کیا اور تصوف کو چھوڑا فاسق ہوا اور جس نے
ان دونوں کو جمع کیا محقق ہوا۔
اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ اپنی کتاب

تحفۃ الجلیل میں فرماتے ہیں کہ شیخ کے لئے ضروری ہے کہ علوم قرآن و حدیث و فقہ میں اتنی مہارت رکھتا ہو کہ مریدوں کو مشروعات کا پابند اور نامشروعات سے پرہیز کرانے اور ان سے اخلاق ذمیمہ کے چھڑانے اور اخلاق حمیدہ سے متصف کرانے کی قابلیت رکھتا ہو۔ عامل اور متقی ہو اطاعات اور اذکار ماثورہ پر مواظبت رکھتا ہو۔ علوم صوفیہ کی تحصیل کے ساتھ قلب کا تعلق خدا تعالےٰ کیساتھ قایم کیا ہوا ہو۔

امام شعرانی رح اپنی کتاب طبقات الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ قوم صوفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کو علوم شرعیہ میں تبحر نہو اس میں خدا تعالےٰ کے راستہ کی تعلیم کی صلاحیت نہیں

حضرت شیخ ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں فرمایا ہے کہ (شیخ)

کے خرقہ کا اہل وہ شخص ہے کہ جس نے اپنے نفس کو آداب صوفیہ سے مودب کیا ہو۔ ریاضتیں اور مجاہدے کئے ہوں۔ مشقتیں اٹھائی ہوں۔ مرادات سے خالی ہو۔ مقامات طے کیا ہوا ہو۔ صادقین کی صحبت میں رہا ہوا ہو۔ احکام دین اور اوس کے حدود اور مذہب کے اصول و فروع کا عارف ہو۔ اگر ان صفات سے متصف نہو تو اوسکو شیخ بننا اور مرید بنانا حرام ہے۔

شیخ جنید علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ جس نے قران و حدیث کی تعلیم نہ پائی ہو اوسکی اقتدا اس علم تصوف میں نکیجائے۔ کیونکہ ہمارا علم کتاب و سنت کے علوم سے مقید ہے۔

س (۱۳) کیا بیعت امام کے ہاتھ پر ضروری ہے اگر ہے تو کیوں ہے؟

ج (۱۳) امامت کی دو شقوں یعنے امامت کبریٰ اور

صغریٰ کے لحاظ سے بیعت کے بھی دو قسم ہیں -

ایک بیعت اطاعت جو امام یعنے پادشاہ اسلام کے ہاتھ پہ کیجائے چونکہ اس بیعت کے بغیر مسلمانوں کے مصالح دینی اور دنیوی کی تکمیل ناممکن ہے لہذا مسلمانوں پر جسطرح امام کا تقرر واجب ہے اسیطرح امام کے ہاتھ پر بیعت اور اطاعت بھی واجب ہے . اس بیعت کے وجوب پر احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف سلام وتحیة میں اس قدر تاکید فرمائی گئی ہے کہ جس نے امام کے ہاتھ پر بیعت کئے بغیر رحلت کی ہو اُسکی موت کو جاہلیت کی موت قرار دیا گیا ہے

دوسری بیعت تقویٰ ۔ تو یہ جو بحیثیت امامت صغریٰ شائخین صوفیہ کے ہاتھ پر علوم طریقت کی طلب کے لئے کیجاتی ہے اس بیعت کا فرض یا واجب یا سنت ہونا موقوف ہے اس مقصود کے فرض یا واجب یا سنت ہونے پر کہ جس کے

حاصل کرنے کے لئے بیعت کیجاتی ہے اس لحاظ سے بعض
حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ بفحوائے طلب العلم فریضۃ علیٰ
کل مسلم جس علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔ وہ علم تصوف ہے
جس سے سالک کو اوس کے حال اور قرب الی اللہ کے مقامات
اور خدا تعالیٰ کی معرفت کا علم حاصل ہوتا ہے علماء کا مقولہ ہے
کہ حدیث نبوی میں جس علم کی طلب کے فرض ہونے پر
اشارہ ہے وہ علم تفسیر و حدیث و فقہ و عقائد ہے کہ
ان کے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہوتی۔

شیخ ابو طالب مکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قوت
القلوب میں ان اختلافات کا تصفیہ اسطرح فرمایا ہے کہ
اسلام کی بنا کلمہ نماز روزہ حج زکوٰۃ ان پانچ چیزوں پر ہے
تو انہیں پانچ فرائض کا علم طلب کرنا واجب ہوگا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم

معاملہ اور دوسرے علم مکاشفہ اور حدیث نبوی میں ہر مسلمان پر جس علم کا سیکھنا فرض کیا گیا ہے
وہ علم معاملہ ہے اور وہ علم معاملہ کے فرض ہونیکا سلسلہ اسطرح قائم فرماتے ہیں کہ بفور اسلام یا
بلوغ اولاً کلمہ توحید کا سیکھنا فرض ہوگا من بعد وقتیہ نمازوں کیلئے
اول وضو اور غسل کے احکام پھر وقتیہ نمازوں کا سیکھنا من بعد
روزوں کے مسائل۔ اگر غنی ہو تو زکواۃ اور حج کے مسائل۔
تاجر ہو تو احکام بیع اور شراء کا علم۔ اور عقد کرنا چاہے تو مسائل نکاح
اور حقوق زوجین کا علم۔ غرض کہ جس وقت جس شعبہ معاملات سے
سابقہ ہوا دیسوقت اس کا علم سیکھنا فرض ہو جاتا ہے اور علم مکاشفہ
کو حضرت امام صاحب نے اون علوم میں شمار فرمایا ہے جو فرض کفایہ ہیں
جسکی تعریف یہ ہے کہ قوم میں ایک شخص بھی اس علم کا متکفل ہو جائے
تو قوم پر سے اسکی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے مگر قوم کے دیگر افراد کے
حق میں اون کی طلب ممنوع بھی نہیں بلکہ باعث فضیلت ہے۔
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ اپنی کتاب قول الجمیل میں

فرماتے ہیں کہ مشائخین میں تقوی اور توبہ کی بیعت جو مروج ہے
یہ بیعت سنت ہے واجب نہیں ہے اسیواسطے اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے اس بیعت
کے ذریعہ تقرب الی اللہ حاصل کیا مگر کوئی دلیل شرعی تارک بیعت کے
گنہگار ہونے پر دلالت نہیں کرتی ہے اور آئمہ دین نے تارک بیعت
پر انکار بھی نہیں کیا ہے تو یہ عدم انکار اجماع ہوگیا اسپر کہ وہ واجب
نہیں ہے۔

نتیجہ ان اکابر صوفیہ کی تحقیق وتدقیق کا یہ ہوا کہ صوفیہ کے
ہاتھ پر تقوی و توبہ کی بیعت اور علم طریقت حاصل کرنا سنت ہے
باوجودیکہ علم طریقت کی طلب اور اس کے حصول کے لئے
شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرنا سنت اور داخل اعمال فضیلت ہے

مگر جو شخص اس علم کو حاصل کرنا چاہے اوسپر لازم ہے کہ
بغیر شیخ کامل کی رہنمائی کے مدارج سلوک کے طے کرنے کا اقدام
نکرے کیونکہ دوران سلوک میں مکائد شیطانی ونفسانی سے
واقفیت اور تجلیات وخطرات ملکی ورحمانی وشیطانی وغیرہ
امور کا امتیاز بغیر شیخ کامل کی رہنمائی کے نہوسکیگا تو یہ امور
کفر وضلالت اور گمراہی میں مبتلا کرنیوالے ہوں گے اسی لئے
کہا گیا ہے کہ من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان ۔

س (۱۴) (تصوف کی کیا تعریف ہے)

ج (۱۴) اگرچہ تصوف کی تعریفیں مختلف اعتبارات سے
مختلف ہوئی ہیں مگر مختصر جامع طور پر یوں کہنا چاہئے
کہ تصوف درحقیقت تصحیح خیال مع اللہ

واخلاص نیت کا نام ہے یعنے اپنی زندگی کے تمام اعمال واقوال وافعال یا اپنی تمام حرکات وسکنات میں یا یوں کہو کہ ہر دم خدا کیساتھ رابطۂ قلبی کو لگائے رہنے کا نام تصوف ہے اور یہی وہ احسان کا درجہ ہے۔

جو مضمون سوال نمبر (۱) سابق میں گذر چکا چنانچہ خدا نے اپنے حبیبؐ کو ہماری تنبیہ کی غرض سے ارشاد فرمایا ہے۔ کہو کہ میری نماز وعبادت اور میرا جینا

قُل اِنَّ صَلوٰتِی وَنُسُکِی وَمَحیَایَ	اور مرنا خاص خدا ہی کیلئے ہے جو سارے
وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین	جہانوں کا پروردگار ہے اور اسکا کوئی
لَاشَرِیکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرتُ	شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم ہے اور میں پہلا
وَاَنَا اَوَّلُ المُسلِمِین	مسلمان ہوں یا اطاعت کرنے والا

فرمانبردار۔

غرضکہ اپنے سارے اعمال وافعال حتے کہ اپنے سارے حرکات وسکنات میں خدا کو حاضر وناظر سمجھنا اور اس کے ساتھ لو لگائے رہنا اور اپنا جینا ومرنا بھی خاص خدا ہی کیلئے تصور کرنا عین تصوف ہے

اور یہی حدیث ذیل کا مطلب ہے۔

انما الاعمال بالنیات و لکل امرء ما نوی فمن کانت ہجرتہ الی اللہ و رسولہ فہجرتہ الی اللہ و رسولہ و من کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او امراۃ یتزوجہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ

یعنے سارے اعمال محض نیت کے مطابق محسوب ہوتے ہیں اور ہر آدمی کیلئے وہی ہے جو وہ نیت کرے۔ پس جس شخص کی ہجرت و ترک وطن کرنا محض خدا اور رسول ہی کے لئے ہو تو پس اسکی ہجرت خدا کے نزدیک محض خدا و رسول ہی کیلئے متصور ہو گی اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت کو نکاح کرنے کیلئے ہو تو اسکی ہجرت خدا کے نزدیک اسی غرض کیلئے متصور ہوگی جس کیلئے ہجرت کیگئی ہو یعنے ہر عمل کیساتھ جیسا خیال کریگا اور جیسی نیت کریگا ویسا ہی اسکا انجام ہوگا

س (۱۵) فقیری سے کیا مراد ہے اور الفقر فخری سے کیا مراد ہے۔

ج (۱۵) فقر عربی زبان میں محتاجی اور ضرورتمندی اور نیازمندی کو کہتے ہیں اور اسی لحاظ سے اصطلاح میں فقر یعنی تصوف کے متعلق ہوتا ہے کیونکہ صوفی جیسا کہ آپنے تصوف و احسان کی تعریف میں پڑھا ہمیشہ اپنی زندگی کے جزو کل حالات و حرکات و سکنات میں خدا پر نظر لگائے رہتا ہے یعنی ہر آن خدا کی عنایت و خوشنودی کا اپنے کو محتاج و حاجتمند تصور کرتا ہے جیسا کہ بزرگان دین نے فرمایا ہے۔

الصوفی مع اللہ کالمیت فی ید الغاسل یعنی صوفی کی حالت خدا سے ایسی ہوتی ہے جیسے مردہ کی غسال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جنکے سچے پیرو اور حلقہ بگوش صوفیائے کرام ہیں اسی فقر و محتاجی با خدا کو اپنا مایہ فخر و ناز فرمایا ہے نہ وہ فقر جو بمعنی ذلت اور احتیاج با خلق ہے اور جو حسب الارشاد نبوی سخت مذموم ہے حتی کہ حضور نے اُسے کفر کے قریب اور روسیاہی دارین کا باعث فرمایا اور اس سے

آپ نے پناہ مانگی حدیثوں میں وارد ہے۔

..... دالفقر ان یکون کفراً یعنی مفلسی قریب ہے کہ کفر تک پہونچا دے

اللّٰھم انی اعوذبک من الکفر والفقر اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر و محتاجی سے

الفقر سواد الوجہ فی الدارین مفلسی و قلاشی روسیاہی ہے دونوں جہاں کی۔

چنانچہ آنحضرت نے اسی فقر بمعنے محتاجی یا خلق کو روکنے کیلئے اور محتاجی ہمیشہ خدا سے قایم رکھنے کی عادت ڈالنے کیلئے مخلوق سے سوال کرنے کو بہرے سے منع فرمایا جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ اگر تمہارے نعل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی خدا سے ہی مانگو۔ گھر میں نمک کی ضرورت پڑے تو بھی خدا ہی سے مانگو۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضور کی اس سے غرض یہی تھی کہ غیر خدا سے مانگنے کی عادت جب جاتی رہیگی تو لامحالہ خدا سے ہی مانگنے کی عادت پڑیگی اور اسطرح ہر وقت ہر ضرورت خدا ہی کیطرف رجوع ہوا کریگا اور اسی کی لو لگی رہیگی اور صوفی کی شخصیت

فنا ہوجائیگی اور اس کے حرکات وسکنات خدا ہی کیطرف منسوب ہونے لگینگے اور
مارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ کا درجہ حاصل ہوجائیگا اور یہی معنے اس صحیح کلام
اوس مقولہ کے الفقر اذا تم ھو اللہ یعنے احتیاج الی اللہ جب کامل ہوجاتی
ہے تو خدا ہی خدا کا ظہور ہونے لگتا ہے۔

قال الجامی قدس سرہ

اوشد زمیان ہمین خدا ماند خدا
الفقر اذا تم ھو اللہ این ست

غرض کہ عارف ہر وقت وہر آن اپنے کو خدا کا محتاج سمجھتا ہے
کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ خود اس کا وجود بھی وجود بین العدمین ہے یعنے
ہر آن ایک نیا فیضان وجود کا اسپر مبدء فیاض سے ہورہا ہے کیونکہ جیسا
اس کیلئے آن مستقبل معدوم ہے ویسا ہی آن ماضیہ بھی عدم ہے لہذا
ہر آن میں وہ اپنے وجود کیلئے فیضان وجود باریتعالیٰ کا محتاج ہوجاتا ہے
جیسا کہ چراغ کی لو ہر آن تیل کے فیضان کی محتاج ہے کہ اگر ایک آن بھی
یہ فیضان بند ہوجائے تو وہ گل ہوجاتا ہے یہی مثال انسان کے وجود کی جو

باری تعالیٰ سے ہے۔

الحاصل فقر کے معنی محتاجی کے ہیں جب یہ محتاجی خدا کیساتھ ہو تو اس میں جتنی ترقی ہوگی اتنا ہی قرب الی اللہ کے مدارج حاصل ہونگے۔ اور جب یہ خلق کیساتھ ہوگی تو جسقدر اس میں اضافہ ہوتا جائیگا۔ اسیقدر خدا سے بعد ہوتا جائیگا اور آخر کو کفر تک نوبت پہونچیگی اور روسیاہی دارین حاصل ہوگی۔ اب اس سے آپ کو واضح ہوگا کہ فقیری کے معنے مفلسی و قلاشی کے جو اوہام عوام میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں۔ احتیاج الی اللہ ہر دم قائم رہنے پر اگر ساری دنیا کی دولت و حکومت کسی کو حاصل ہو تب بھی وہ فقیر ہی مشہور ہوگا اور مقرب عند اللہ جیسا کہ بعض انبیا مثل حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام وغیرہم کی حالت تھی۔

س (۱۶) فقیر۔ صوفی۔ شیخ۔ کی کیا تعریف ہے۔

ج (۱۶) یہ تینوں لفظ ایک ہی شخص پر بولے جاتے ہیں مگر ان کے معنوں میں

حیثیات کا فرق ہوتا ہے مثلاً فقیر اس لحاظ سے کہ وہ مردہ بدست زندہ کیطرح خدا کا ہر آن و ہر دم محتاج ہوتا ہے اور صوفی اس لحاظ سے کہ وہ تصفیہ باطن اور دوام حضور قلب مع اللہ میں مشغول ہوتا ہے اور ظاہری لباس کی پرواہ نہیں کرتا اور شیخ اس لحاظ سے کہ وہ پیشوا و قابل اقتدا ہوتا ہے

س (۱۷) فرقۂ باطنیہ اور صوفیہ میں کیا فرق ہے۔

ج (۱۷) فرقۂ باطنیہ وہ فرقہ ہے جو باطن کی آڑ میں ظاہری احکام شریعت کا انکار کرتا ہے۔

چنانچہ ان کے ہاں حلال و حرام و واجب و فرض و سنت و مستحب کوئی چیز نہیں ہے بخلاف صوفیہ کرام کے کہ وہ اپنے آقائے نامدار حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہری احکام و باطنی حالات سب میں پورے پورے متبع اور پیرو ہوتے ہیں کیونکہ شریعت جو مجموعۂ احکام خدا و رسول کا نام ہے وہ طریقت سے جدا شے نہیں ہے بلکہ طریقت اسی شاہراہ شریعت پر

ایک خاص طور پر چلنے کا نام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ احکام شریعت دو قسم کے ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی یعنے ظاہری وہ جو اصلاح تمدن و تہذیب وحسن معاشرت وحقوق العباد سے متعلق ہیں اور باطنی وہ ہیں جن سے خدا کیساتھ بندہ کا رابطۂ قلبی اور تعلق پیدا ہو جائے اور باطنی کیفیت سنور جاوے ہماری شریعت چونکہ آخری اور کاملترین شریعت ہے اس میں ہر ایک قسم کی روحانی اور جسمانی اور تمدنی و تدینی ہدایات و تعلقات خاص طور پر موجود ہیں کیونکہ خداوند عالم نے انسان کو دو مختلف متضاد چیزوں سے مرکب فرمایا ہے ایک جسم جو عالم شہادت سے ہے اور خاکی چیز ہے دوسری جان جو عالم مادی اور عالم ملکوت سے ہے ان میں سے ہر ایک کے خواہشات و مقتضیات الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے کے متضاد۔

انسان ان دونوں کی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے اور بالآخر ان میں سے ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہو جاتا ہے اور غالب اپنے مقتضیات کے پورا کرنے کیلئے ہمیشہ انسان کو اپنا ہی بنا لیتا ہے اور وہ دوسرے کے مقتضیات کو

پورا نہیں کر سکتا حالانکہ انسانیت کا کمال یہ ہے کہ ان دونوں کے مقتضیات برابر برابر اعتدال کیساتھ پورے ہوتے ہیں اور یہی مقصود اصلی خدا کا انسان کو اسطرح مرکب پیدا کرنے کا ہے۔

انسان سے جو حقوق معاشرت و تمدن یعنے حقوق العباد متعلق ہیں یہ سب جسم کے ساتھ ہیں اور جو حقوق اللہ اُس کے ذمہ عائد ہیں یہ سب روح سے متعلق ہیں اور ان دونوں تعلقات و مقتضاؤں کو پورا کرنا انسان پر لازم ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کا خیال اعتدال کیساتھ رکھا جائے اور افراط و تفریط سے بچتا رہے یہ ایک سخت دشوار اور کٹھن کام ہے جو بڑوں بڑوں سے نہ ہو سکا مگر خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ہماری تعلیم و ہدایت کیلئے ایک ایسا شفیق استاد و ہادی بھیجدیا جس نے اپنی طرز عمل سے ان دونوں مقتضیات کو اعتدال کیساتھ قائم رکھنے کا طریقہ ہمکو بتا دیا اور وہ ذات پاک صاحب لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے جانشین خلفاء راشدین

اور صوفیائے کاملین نے اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کو تبلادیا کہ انسان کو خدا پاک کا خاص و مقرب بندہ بن کے کاروبار و حقوق العباد کو کسطرح انجام دینا چاہیے

شعر

از دروں باش آشنا و از بروں بیگانہ وش
ایچنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

غرض اکی یہی وہ زیبا روش و صراط مستقیم ہے جس کیلئے ہم رات دن نمازوں میں دعا کرنے پر مامور ہیں اور جس کے بارے میں دنیا کی مختلف قومیں ٹھوکریں کھا رہی ہیں مگر بجز صوفیائے کرام کے کوئی گروہ اس میدان عمل میں ثابت قدم نہ نکلا دنیا کے مختلف گروہوں پر اگر نظر ڈالیجائے تو معلوم ہوگا کہ بعض مذاہب ایسے بھی ہیں جنمیں تجرد اور صحرا نشینی و ترک علائق ذریعہ قرب ایزدی و نجات اخروی مانا گیا ہے جیسے حکماء قدیم اور ہندوؤں اور نصاریٰ کا مذہب ہے اور اسی سے ملتے جلتے باطنیہ بھی ہیں اور بعض مذاہب ایسے ہیں جو فقط ظاہر پرستی ہی پر مبنی ہیں اور مادی ترقیات ہی انکا معراج کمال ہے جیسے یہود۔ اور ظاہر پرستوں کا مذہب ہے یہ سب مغضوب علیہم میں داخل ہیں

جیسے کہ پہلی گروہ ضالین میں محسوب ہے بخلاف صوفیہ کرام کے جو خالص دین اسلام کے پابند اور اپنے نبی کریم کے قدم بہ قدم اور پیرو ہیں انکا مذہب ان دونوں کے بین بین ہے نہ بالکل ظاہر پرستی اور مادہ پرستی ہی ہے اور نہ بالکل تجرد و ترک علائق دنیاوی بلکہ وہ ہر دم خدا تعالیٰ کی یاد میں دل سے مشغول رہتے ہیں اور سب صحرا نشینوں سے بڑھکر وہ تارک الدنیا ہیں اور ادھر ظاہر میں تمام علائق دنیاوی میں مصروف نظر آتے ہیں اور تمام حقوق العباد کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں۔

غرضکہ جسمانیت و روحانیت دونوں تعلقات کو بخوبی نباہتے ہیں اور ہر پہلو میں اعتدال کو مرعی رکھتے ہیں۔ **شعر**

بر کفی جام شریعت بر کفی سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

میں اسی امر کیطرف اشارہ ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجرد اور رہبانیت سے جہاں منع فرمایا وہاں ظاہر پرستی اور زہد خشک و مادہ پرستی سے بھی منع فرمایا۔

چنانچہ ذیل میں وہ ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ

لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا — جاہلوں کا خیال تھا کہ قربانی کرنے سے ہی خدا
ولکن ینالہ التقویٰ منکم — ملتا ہے تو حکم ہوا کہ خدا کو قربانی کے گوشت و خون
نہیں پا سکتے بلکہ اسکو تمہارا تقویٰ پالیتا ہے یعنے ذریعہ قرب و وصال
ایزدی محض تقویٰ ہے جو خدا سے ڈرنے اور اسکو ہر وقت حاضر و ناظر
سمجھنے کا نام ہے نہ فقط ظاہری رسوم عبادت۔ اور تقویٰ کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ارشاد فرمایا

التقویٰ ھٰہنا واشار الی القلب — یعنے تقویٰ یہاں ہوتا ہے اور دل کیطرف اشارہ فرمایا نیز فرمایا
لا ینظر اللہ الی صورکم والی اعمالکم — یعنے خدا تمہاری صورتوں اور عملوں کو نہیں دیکھتا
ولکن ینظر الی قلوبکم — بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے کہ وہ کیسے ہیں نیز فرمایا
انما الاعمال بالنیات وانما — یعنے تمام اعمال کا دارومدار محض نیت پر ہے
لکل امریٔ مانوی۔ — اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو وہ اپنے
عمل سے نیت کرے۔ نیز ارشاد ہے۔

ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت	یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے
صلح الجسد کلہ واذا فسدت	جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست
فسد الجسد کلہ	ہوتا ہے اور جب بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے
الا وھی القلب	دیکھو وہ دل ہی ہے نیز فرمایا کہ
لا صلوٰۃ الا بحضور القلب	نماز فقط حضور دل ہی سے ہے۔

اس کے سوا اور سیکڑوں ارشادات ہیں

جن سے واضح ہوتا ہے کہ فقط ظاہر پرستی عند اللہ کوئی شئے نہیں جب تک کہ باطنی لگاؤ نہ پیدا ہو اسکے مقابل یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔

لا رھبانیۃ فی الاسلام	اسلام میں رہبانیت و ترک علائق و تجرد

و صحرا نشینی و کوہ نوردی کوئی شئے نہیں نیز ارشاد ہے۔

ان لنفسک علیک حقا وان	یعنی تیری جان کا بھی تجھ پر حق ادا کرنا لازم ہے
لزوجک علیک حقا وان لزورک	اور تیری بیوی بچوں کا بھی تیرے ذمہ حق ادا کرنا لازم ہے

علیك حقًا (الحدیث) ..... اور تیرے ہمسایہ دوست اور اقارب کا بھی تجھ

.... حق ادا کرنا واجب ہے۔

غرضکہ ایسے سیکڑوں ارشادات ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ترک علائق دنیا اور تجرد کی زندگی جیسے ہنود و نصاریٰ کا خیال ہے یہ غلط خیال ہے قرب و وصال ایزدی کے حصول کا اسپر انحصار نہیں ہے۔

الحاصل اسلام نے جو سیدھا راستہ بتایا ہے وہ یہی ہے کہ نہ ظاہری احکام شرعیہ سے بے اعتنائی کیجائے جیسا کہ باطنیہ فرقہ کا خیال ہے اور نہ روحانیت سے کورے ہو کر ظاہری پر انحصار کیا جائے جیسا کہ ظاہر پرستوں کا خیال ہے جس سے واضح ہے کہ صوفیہ کرام ہی دراصل اسلام کے پورے پابند ہیں۔

س (۱۸) (الحاد و زندقہ سے کیا مراد ہے)

ج (۱۸) الحاد و زندقہ سے اصطلاح میں بے دینی اور ظاہری احکام شرعیہ سے انکار و آزادی مراد ہوتی ہے جیسا کہ آپنے باطنیہ فرقہ کی حالات میں پڑھا ہے۔

(ارشاد نبوی ہے)

قال اللہ لن یومن احدکم حتی یکون ہوائم تبعاً لما جئت بہ ... ہے کسیکو ایمان کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا جب تک اسکا خیال و خواہش میرے لائے ہوئے ... دین کے ماتحت و تابع نہ ہو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ آپکا لایا ہوا دین ظاہری و باطنی احکام دونوں کو شامل ہے لہذا ان میں سے کیسکا بھی انکار دراصل دین کا انکار کرنا ہے۔ یہاں یہ بیان کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض جاہل لوگ جو اپنے کو صوفیہ کرام کے معتقد خیال کرتے ہیں اور دراصل باطنیہ فرقہ کے خیالات اندر ہی اندر ان میں سرایت کرجاتے ہیں اور وہ اپنی جہالت سے اصل تصوف اور باطنیہ کے خیالات میں تفریق نہیں کرسکتے بعض بعض اشعار و کلام سلف کو جیکے معنے نہایت دقیق اور پر اسرار و غوامض و معارف حقہ کیطرف اشارہ کرتے ہوں اپنے خلاف شریعت خیالات کی تائید میں بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں حالانکہ اصل قائل کا منشاء وہ نہیں ہوتا جو یہ سمجھتے ہیں بلکہ وہ شریعت کے موافق ہوتا ہے۔ مگر چونکہ یہ ایسے غوامض

وامعرا [illegible] وا [illegible] لیے بعض [illegible] کو خلاف شریعت معنوں پہ محمول کرتے ہیں
اور [illegible] دو آفتوں میں مبتلا ہوتے ہیں ایک تو افترا کرنے سے بدنام کنندۂ
نکو نامے چند کا مصداق بنتے ہیں اور دوسرے یہ کہ خود شریعت کے خلاف خیال
پھیلانے سے [illegible] کے مرتکب ہوتے ہیں۔

غرض کہ اصل اصول یہ ہے کہ جو کلام خواہ وہ کیسا کبھی ہو اگر اس سے بظاہر
خلاف شریعت معنی متبادر ہوتے ہوں تو چاہئے کہ اس کلام کے معنی لگائیے
ورنہ پہلے نہ ہوں بلکہ اسکے حقیقی معنے اس کے قائل پر محمول کئے جاویں اور
یہ عقیدہ رکھیں کہ اسکے معنے حقیقت میں خلاف شریعت ہرگز نہ ہونگے بلکہ توجیہ
وقت و غرض ہمارے افہام سے بعید ہیں۔ غرضکہ ایسے اقوال سے نہ تو
سند و حجت پکڑنی چاہئے اور نہ اسپر اعتراض اور بدظنی کی نگاہ ڈالنی چاہئے
بہت سارے اشعار و اقوال ایسے ہیں جنکے معنے پر غور کرنے سے کبھی
وہ خلاف شریعت ثابت نہیں ہوتے مگر ان نے تمام طور پہ خلاف شریعت معنی لیکر
لوگ خواہ مخواہ گمراہ ہو رہے ہیں یہ ان لوگوں کا قصور ہے نہ ان قائلین کا اگر

تطویل کا خوف نہ ہوتا تو ہم ضرور یہاں انکا ذکر کرتے۔

س (۱۹) (ترک دنیا سے کیا مراد ہے اور دنیا کسے کہتے ہیں)

ج (۱۹) مثنوی شریف میں مولانائے روم نے دنیا کی خوب تعریف فرمائی ہے جو قرآن اور حدیث کا صحیح مفہوم ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل شدن — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنے اسباب خانہ داری اور جورو بچے زر و زیور یہ چیزیں دنیا نہیں ہیں بلکہ انکی محبت اور خدا سے غفلت حقیقت میں دنیا ہے اور اسکی نسبت ارشاد باری ہے کہ

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔

خوشنما بنائی گئی لوگوں کیلئے محبت مرغوب چیزوں کی جیسے عورتیں فرزند اور زر و سیم جمع کردہ کی دولت اور آراستہ گھوڑے (سواریاں) اور مویشی اور کھیتیاں یہی پونجی ہے حیات دنیا کی۔

اس سے واضح ہوا کہ اشیاء مذکورہ کی محبت ہی دنیا ہے نہ اشیاء مذکورہ کیونکہ

تطویل کا خوف نہ ہوتا تو ہم ضرور یہاں انکا ذکر کرتے۔

س (۱۹) (ترک دنیا سے کیا مراد ہے اور دنیا کسے کہتے ہیں۔)

ج (۱۹) مثنوی شریف میں مولانائے رومؒ نے دنیا کی خوب تعریف فرمائی ہے جو قرآن اور حدیث کا صحیح مفہوم ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل شدن — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنے اسباب خانہ داری اور جورو بچے زر و زیور یہ چیزیں دنیا نہیں ہیں بلکہ انکی محبت اور خدا سے غفلت حقیقت میں دنیا ہے اور اسکی نسبت ارشاد باری ہے کہ

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔

خوشنما بنائی گئی لوگوں کیلئے محبت مرغوب چیزوں کی جیسے عورتیں فرزند اور زر و سیم جمع کردہ کی دولت اور آراستہ گھوڑے (سواریاں) اور مویشی اور کھیتیاں یہی پونجی ہے حیات دنیا کی۔

اس سے واضح ہوا کہ اشیاء مذکورہ کی محبت ہی دنیا ہے نہ اشیاء مذکورہ کیونکہ

وہ تو انسان کی ضرورت کی چیزیں ہیں حسب ضرورت ان سے کام لینا انسان کیلئے جائز ہے البتہ انکی محبت میں خدا سے غافل ہونا مذموم ہے اور بس۔

اگر سب اشیاء مذکورہ بالا موجود ہوں مگر اُن سے محبت نہ ہو تو وہ اشیاء مانع قرب ایزدی نہیں ہو سکتیں۔ دیکھو حضرت داؤد و سلیمان و دیگر انبیاء علیہم السلام یہ سب چیزیں حاصل تھیں نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ راشدین و بہت سارے صوفیہ کرام جیسے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے پاس یہ اشیاء موجود تھیں پھر انکے تقرب اور وصال ایزدی کیلئے مانع نہ ہو سکیں بلکہ باعث ازدیاد مدارج ثابت ہوئیں غرضکہ جو چیز خدا تعالیٰ سے غافل کر کے اپنی محبت میں پھنسالے وہی دنیا ہے خواہ وہ حریر و دیبا و زر و سیم وغیرہ ہو یا پھٹی پرانی کمل ہی کیوں نہ ہو۔ اصل میں دنیا کا لفظ غلط معنے میں مستعمل و مصطلح عوام ہو گیا ہے ورنہ قرآن پاک میں اکثر یہ لفظ الحیٰوۃ کی صفت واقع ہوا ہے یعنے الحیوۃ الدنیا جسکے معنے نیچی اور خسیس و دنی زندگی کے ہیں اب عرف عوام میں اس کرۂ زمین اور اسکے اشیاء کو دنیا

کہنے لگے ہیں حالانکہ قرآن پاک میں کہیں بھی دنیا کے وہ معنی نہیں ملتے ہیں جو اوپر مذکور
ہوئے ہیں جہاں جگہ الحیوٰۃ الدنیا کے الفاظ آئے ہیں جو کمینہ زندگی کے معنی میں
ہیں اس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ سے غافل ہوکر زمینی مادی
اشیاء کا گرویدہ ہونا ہی کمینہ اور قابل نفرت زندگی ہے۔

قرآن پاک میں ان حیوٰۃ دنیا کے مقابل حیوٰۃ طیبہ کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے
جو پاک اور خوشگوار زندگی کے معنے میں مستعمل ہوا ہے اور وہ زندگی مومنین
کاملین۔ اور مقربان ایزدی کی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون — ہوشیار ہو جو خدا کے دوست ہیں انہیں کوئی غم ہے اور نہ خوف۔ ایسی صورت میں
ہمکو غور کرنا چاہئے کہ تمام افراد انسانی کی مختلف زندگیوں میں وہ کونسی ایسی
زندگی ہے جس میں خوف و خطر و رنج و غم نہیں ہے۔ پس اسمیں غور کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ محض اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام کی ہی زندگی ایسی
زندگی ہوسکتی ہے جسمیں ولی طور پر نہ کسی سے خوف ہے نہ خطرہ نہ کسی کا رنج

زعم انہیں کی زندگی ان سب باتوں سے آزاد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انہیں مرداں خدا سے ایک مرد میدان کا قول ہے۔

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود ۔۔۔ زہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

کیا دنیا کے کسی خاقان و فغفور و قیصر و کسریٰ و شاہ و شہنشاہ کو یہ ہمت ہے کہ وہ ایسا لفظ بے دھڑک بول سکے۔

لا واللہ ثم لا واللہ

س (۲۰) سجادگی کی کیا حقیقت ہے اور اسکے فرائض کیا ہیں۔

ج (۲۰) سجادگی دراصل سجادہ نشینی کا مخفف ہے اور سجادہ بمعنے جانماز کے ہیں مرشد کے انتقال کے بعد جو خلیفہ اپنے مرشد کا جانشین ہوتا ہے اُسی کو سجادہ نشین اور اس جانشینی کو سجادگی کہتے ہیں جو خلیفہ اپنے مرشد کا جانشین ہوتا ہے اُسپر اپنے مرشد کی اتباع و پیروی اور اسکے نقش قدم پر چلنا لازم بلکہ اسپر فرض ہے کہ وہ اپنے مرشد اور اپنے آقائے نامدار یعنے سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری احکام شریعت و باطنی حالات کی پوری

پورا پورا پیروی کرکے اپنے آپ کو اپنے مریدین و غیرہم کے حق میں مشعل ہدایت ثابت کرے۔ ورنہ یہ خلافت اور سجادگی اسکی برائے نام بلکہ باعث معصیت ثابت ہوگی۔ نیز یہ بھی اُسکا فرض منصب ہے کہ اگر سرکار سے اسکو کچھ معاش از قسم نقدی یا جاگیرات و مقطعہ جات وغیرہ عطا ہوئی ہے تو اُس کے مصارف از روئے سند پوری پوری طرح ادا کرے اور اپنے باپ دادا کی میراث سمجھکر بیجا طور پر خورد برد نہ کرے بلکہ خود کو ایک عطیہ سرکاری کا امانت دار خیال کرے کیونکہ سرکار نے براہِ خسروانہ جو معاشیں بزرگوں کو عطا فرمائی ہیں اُسکی غرض و غایت اصلی یہی ہے کہ عوام الناس کی طرح یہ لوگ حصول معاش کی کشاکشی میں نہ پڑیں اور اس سے فارغ البال رہکر افادۂ خلق و مشاغل خیر میں مصروف رہیں نہ یہ کہ مثل دنیا داروں کے اس معاش کیوجہ سے اور نزاعات باہمی اور مقدمہ بازی کے جھگڑوں میں اپنے کو عمر بھر پھنسائے رکھیں اور حقوق و فرائض سجادگی کو خیرباد کہدیں جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔

س (۶۲) قضا و قدر سے کیا مراد ہے؟

ج (۲۱) قضا لغت میں مطلق حکم کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اُس ازلی اور کلی حکم کا نام ہے جو علم الٰہی میں موجودات عالم کے اُن احوال کے متعلق ہوا ہو جو ازل سے ابد تک ان پر طاری و جاری ہونے والے تھے اور اسی قضا کے مطابق ہر موجود کیساتھ اسکی حالتوں کو وقت معین اور سبب معین کیساتھ خاص طور پر متعلق کرنے کا نام قدر ہے گویا قضا لوح محفوظ میں تمام موجودات کے وجود اجتماعی کا نام ہے اور قدر انکا متفرق وجود ہے جو تمام اعیان ممکنات میں بعد شرائط وجود حاصل ہونے کے ہوتا ہے۔

غرضکہ ۔ قضا ازل میں ہو چکی اور قدر تا ابد ہمیشہ ہوتے رہیگی۔

س (۲۲) مسئلہ جبر و قدر میں صوفیہ کرام کا کیا مشرب ہے

ج (۲۲) حضرات صوفیہ کا اس مسئلہ میں وہی مشرب ہے (بین الجبر و القدر) جو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے سچے جانشین اکابر صحابہ و تابعین کا تھا اور جو اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ فرق اتنا ہے کہ یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے جو تقلیداً و اتباعاً ہے

اور وہ صوفیہ کرام کا مشرب ہے جو ذوقاً وتحقیقاً ہے یعنے اس حالت بین الجبر والقدر کے متحقق ہو جانے سے ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ چونکہ نصوص کتاب وسنت اس بارے میں بظاہر متعارض ومتضاد وارد ہوئے ہیں اسلئے اسمیں اسلامی فرقوں میں سے دو بڑے گروہ ہو گئے ہیں ایک جبریہ اور دوسرے قدریہ۔ جبریہ کا استدلال ان نصوص سے ہے جن سے بظاہر آدمی کا مجبور محض ہونا مستنبط ہوتا ہے جو حسب ذیل ہیں

وما تشاؤن الا ان یشاء الله یعنے نہیں چاہتے ہو تم کسی شے کو مگر یہ کہ خدا چاہتا ہے

والله خلقکم وما تعملون (یعنے) تمکو اور تمہارا ان کاموں کو جو تم کرتے ہو اسی نے پیدا کیا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے

کُلُّ شَیٍٔ بقدرٍ حتی العجز والکیس۔۔۔ ہر چیز خدا کے حکم سے ہے یہانتک کہ عاجزی اور دانائی ایسے ہی سینکڑوں نصوص قرآن وحدیث کے ہیں جن سے

صاف متبادر ہوتا ہے کہ آدمی بالکل مجبور محض ہے مگر ایسا اعتقاد درست نہیں ہے اس سے اعمال کی جزا و سزا وغیرہ سب بیجا اور ظلم ثابت ہو جاتے ہیں۔

(دوسرا فرقہ قدریہ ہے)

اسکا اعتقاد ہے کہ آدمی اپنے اعمال پر بذات خود قادر ہے اور جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے اگرچہ انکا استدلال بھی بہت سارے نصوص قرآنیہ و احادیث سے ہے خصوصاً وہ جو عذاب و ثواب سے متعلق ہیں مگر اس عقیدے سے نہ صرف اُن نصوص سابقہ کا ابطال لازم آتا ہے بلکہ یہ عقیدہ بدیہی البطلان بھی ہے کہ بہت سارے امور کو وہ چاہتا ہے مگر کر نہیں سکتا جتنے کہ بادشاہ بھی اپنے دل میں بہت ساری آرزوئیں لیکر مرجاتے ہیں اس لحاظ سے یہ عقیدہ بھی خلاف صواب و غلط ہے کیونکہ شان قدرت الٰہی میں اس سے نقصان اور شرک فی القدرت لازم آتا ہے۔

چونکہ یہ دونوں عقیدہ بھی افراط و تفریط کا پہلو لئے ہوئے ہیں لہذا اہی راہ مستقیم و اسلام خالص کے منافی ہوئے۔ اسی واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ کے خلفا صدق و صوفیہ کرام کا یہ مشرب ہے کہ انسان نہ اس معنے کرتے جسے جبریہ اعتقاد رکھتے ہیں مجبور محض ہے اور نہ اس معنے کرتے جسے قدریہ پیش کرتے ہیں قادر و مختار ہے بلکہ وہ ایک لحاظ سے مجبور بھی ہے کیونکہ وہ خدا کا ہر ایک بات میں حتیٰ کہ خود اپنے وجود میں بھی سخت محتاج ہے اور ایک لحاظ سے اُسے اختیار و قدرت بھی ہے جسکی وجہ وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار و جوابدہ ہوتا ہے اور جب اعتبار الگ الگ ہو تو اب تناقض کی صورت پیدا نہ ہوگی۔ اسکی تشریح

یہ ہے کہ آدمی میں دراصل دو چیزیں ملحوظ ہوتی ہیں ایک اسکی عین ثابتہ دوسرا اسکا وجود۔ عین ثابتہ جو اسکی حقیقت ہے وہ معدوم ہے لہذا اسکی اصل عدم ہوئی اس لحاظ سے اسکے اعمال کی نسبت اسکی طرف لگانا کہ وہ اپنے قائم ایسا ہی ہے جیسے ایک معدوم شئے کیطرف کسی بات پر قدرت کی نسبت لگانا جو بالکل لغو ہے۔ اب رہا وجود جسکے باعث وہ موجود کہلاتا ہے تو محض اسکی طرف بھی ان اعمال کی نسبت نہیں لگا سکتے کیونکہ وہ سب پر یحیاں فیضان رکھتا ہے

اگر محض اسی کے یہ افعال ہوتے تو سارے افعال میں بھی یکسانیت و یکرنگی ہوتی
حالانکہ شقی و سعید کے اعمال مختلف ہیں جیسے آفتاب کی مثال لیجئے کہ گرچہ
سارے آئینوں میں اسکا نور یکساں فیضان رکھتا ہے مگر آئینوں کی رنگارنگی
کے باعث وہ نور بھی رنگارنگ نظر آتا ہے جو آئینوں کے استعداد و قابلیت کا
طفیل ہے ورنہ وہ نور آفتاب تو بالکل سب سے علیحدہ اور ان سب رنگارنگیوں سے
پاک ہے۔ ایسا ہی اعیان ثابتہ کو بمنزلہ آئینوں کے اور وجود کو مثل نور آفتاب کے
سمجھو اور جسطرح سے ان رنگارنگ استعدادات کو نور آفتاب کیطرف منسوب
نہیں کرسکتے ایسا ہی مختلف استعدادات اعیان ثابتہ کو وجود کیطرف منسوب
نہ کرنا چاہیئے کیونکہ آئینوں کے استعدادات بلا نور آفتاب کے اپنی رنگارنگی
دکھا سکتے ہیں نہ اعیان ثابتہ کے استعدادات بہ وجود کے اپنا ظہور کرسکتے
ہیں۔ حالانکہ مشاہدہ تو یہ ہے کہ ان رنگارنگیوں کا ظہور نور آفتاب و آئینوں
دونوں سے ہو رہا ہے تو اب معلوم ہوا کہ ان رنگارنگیوں اور نور آفتاب دونوں کی
ضرورت ہے ان میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو یہ استعدادات ظاہر نہیں ہو سکتے

تو اب ضرور ہوا کہ جسطرح آپ ان الوان کے ظہور کی نسبت نور کیطرف بھی کریں
اس معنے کرتے کہ وہی باعث ظہور ان الوان مختلفہ کا ہے اور آئینوں کیطرف
بھی کہ یہ انکی ذاتی استعدادات ہیں اسیطرح ضرور ہوا کہ آپ افعال واعمال
عباد مختلفہ گوناگون کی نسبت انکی طرف بھی کریں کیونکہ یہ انکے اعیان ثابتہ
کے ہی استعدادات ہیں اور خدا کیطرف بھی کریں جبکا وجود ان استعدادات کو
ظاہر کر رہا ہے اور انکے ظہور کا باعث اول دراصل وہی ہے۔
غرضکہ صوفیہ کرام کو چونکہ اس حالت کا ادراک ذوقاً وتحقیقاً ہوتا ہے اس لئے
بین الجبر والقدر انکا مشرب ہوتا ہے۔ اور اہل سنت وجماعت جو اسی مشرب کے
تابع ہوتے ہیں (یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے سچے تابعین کے)
اس لئے انکا مذہب بھی تقلیداً واتباعاً بین الجبر والقدر ہونا چاہئے اب اگر
کوئی سوال کرے کہ آخر اعیان ثابتہ اور انکے استعدادات بھی تو خدا ہی کے مقرر کردہ
ہیں تو پھر بیچارے انسان کا کیا قصور ہے؟
تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز کسی کی ذاتیات میں سے ہوتی ہے وہ اس سے منفک

نہیں ہوتی اور نہ کسی پر شے اثر ہو سکتا ہے ایسا ہی اسماء و صفات ربانی جو
مقتضائے ذات باری تعالیٰ ہیں جو اس سے کسی حال میں منفک نہیں ہو سکتے
اور اسماء و صفات باہم مختلف و متضاد ہیں اور یہی اعیان و ممکنات کے اختلاف
و متضاد ہونے کے باعث ہیں کیونکہ تمام اعیان ثابتہ انہی کے مظاہر ہیں تو ان کا
اختلاف بھی باری تعالیٰ کا مقتضائے کمال ذاتی ہوا اور یہ بالکل ضروری و لابدی ہے
اس لحاظ سے یہ امر محل اعتراض ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ فرض کرو کہ کوئی کمہار
اعلیٰ درجہ کا استاد فن ہے تو اس کی استادی کے کمال کا ظہور جب ہی ہوتا کہ اس سے
مختلف اشیاء کا بنانا ثابت ہو اگر وہ ایک ہی قسم کی چیزیں بناوے تو اس کی
استادی مسلم نہ ہو سکیگی تو معلوم ہوا کہ جس طرح کمہار کا ایک گلدان تیار کرنا مقتضا
اس کے کمال کا ہے ایسا ہی اس کا ایک اگالدان بنانا بھی مقتضا اس کے
کمال کا ہے اور یہ اس کے کمال ذاتی کے لحاظ سے ضروری ہے اور یہ ہرگز
محل اعتراض ہو ہی نہیں سکتا اور جو چیز محل اعتراض نہ ہو اس کی نسبت توجہ کرنا
اور غور کرنا بے سود ہے ایسی حالت میں یہ خیال کہ اللہ نے زید کی عین ثابتہ

سعید کیوں بنایا اور عمرو کی عین ثابتہ کو شقاوت سے کیوں متصف کیا ایک بیجا

اور لغو خیال ہے بلکہ ایسا بنانا اس کے کمال ذاتی کا مقتضا ہے اور لابدی ۔

اخیر میں اس مسئلہ کے سمجھانے کیلئے اسقدر اور صراحت کر دیجاتی ہے تاکہ اس

مسئلہ کا حل آپ پر بہت سہل ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ فرمان وحدیث احکام

شریعت اور امور حقیقت دونوں کا مجموعہ ہیں اور بہت سارے احکام ایسے ہیں

جو محض ظاہر شریعت پر ہی محمول ہو سکتے اور بعض احکام ایسے بھی ہیں جو محض

حقیقت پر ہی محمول ہو سکتے ہیں اور انکو ہر کس وناکس سمجھ نہیں سکتا ۔

لہذا ایک کو دوسرے پر محمول کرنا بڑی سخت غلطی اور موجب فساد اعتقاد

وکفر الحاد ہو جاتا ہے اور یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے چنانچہ انسان کا اپنے اعمال پر

مختار وقادر ہونا جسکی وجہ سے وہ جوابدہ بنتا ہے شریعت کا حکم ہے تو اسکو

یہیں تک رکھنا لازم ہے اور آدمی کا اپنے اعمال میں مجبور محض ہونا ایک حقیقت

کا حکم ہے جسکو وہی خوب سمجھ سکتا ہے جو اس مقام اعلیٰ تک پہنچا ہو۔ لہذا اس مسئلہ میں غور و خوض کرنے کو از روئے شریعت ممنوع قرار دیا گیا ہے تاکہ ہر کس و ناکس اس کے سمجھنے کی بے میں پڑ کر مبتلائے الحاد و زندقہ نہ ہو جائے

س (۲۱) اہل سنت و جماعت میں صوفیہ کرام کی کیا شان ہے۔

ج (۲۲) اہل سنت و جماعت کی بلحاظ مراتب علم و عمل تین قسمیں ہیں عوام اہل سنت۔ اکابر اہل سنت یعنے علماء پھر ان علماء اہل سنت کی تین قسمیں ہیں اصحاب حدیث۔ فقہا۔ صوفیہ اصحاب حدیث وہ علماء اہل سنت ہیں جنہوں نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے و جمع کرنے اور صحیح کو سقیم سے جدا کرنے میں اپنے کو مصروف رکھا اور اُن سے احکام و مسائل کے استخراج میں ظاہر الفاظ کے مقید رہے اور فقہا وہ علماء اہل سنت ہیں جسکو اصحاب حدیث پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے علم حدیث کے حاصل کرنیکے بعد استخراج مسائل میں احادیث کے ظاہر الفاظ سے ترقی کر کے اُن کے

معانی اور اشارات کی تحقیق و تدقیق میں دقت نظر اور
تفقد سے کام لیا اور احادیث کے ناسخ کو منسوخ سے مطلق
کو مقید سے محکم کو متشابہ سے مجمل کو مفسر سے ممتاز کر کے
احکام شرعیہ کو استنباط و استخراج فرمایا اور صوفیہ وہ علماء
اہل سنت ہیں جنکو اصحاب حدیث و فقہا پر یہ فضیلت ہیکہ انہوں
نے اصحاب حدیث اور فقہا کے علوم حاصل کرنے کے بعد
ان کے مختلف فیہ مسائل میں احوط و اسلم اقوال پر عمل
کیا اور حسن عمل کے بدولت اونکو علوم احوال و مقامات پر عبور
ہوا اور مراتب قرب الٰہی سے مشرف ہوئے ۔ اور یہی
علوم احوال و مقامات اور مراتب قرب صوفیہ کے
علوم مخصوصہ ہیں اور اس طرح گروہ اہل سنت میں علماء
اور صوفیہ کی نسبت خواص اور اخص الخواص کی ہے ۔

جن علوم احوال و مقامات سے صوفیہ کرام متصف ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

توبہ ۔ زہد ۔ ورع ۔ محاسبہ ۔ صبر ۔ رضاء ۔ توکل ۔ محبت ۔ خوف ۔ رجاء ۔ شاہدات ۔ طمانیت ۔ شوق ۔ یقین ۔ قناعت ۔ صدق اخلاص ۔ شکر ۔ ذکر ۔ فکر ۔ مراقبہ ۔ اعتبار ۔ وجد ۔ تعظیم ۔ اجلال ۔ ندم ۔ حیاء ۔ جمع ۔ تفرقہ ۔ فنا ۔ بقاء ۔ معرفت نفس ۔ مجاہدات نفس ریاضات نفس ۔ دقایق ریاء ۔ دقایق شہوت ۔ شرک خفی ۔ عوارض و عوائق و حقایق اذکار ۔ تجرید و توحید ۔ منازل تفرید ۔ خفایات سر عیوب احوال حلم ۔ تواضع ۔ نصیحت ۔ شفقت ۔ احتمال ۔ موافقت

احسان ۔ مدارات ۔ ایثار ۔ خدمت ۔ الفت
بشاشت ۔ فتوت ۔ کرم ۔ بذل جاہ ۔ مروّت ۔
جود ۔ تودد ۔ عفو ۔ سخا ۔ وفا ۔ تلطف ۔
ملاقت ۔ سکینہ ۔ وقار ۔ وعاء ۔ ثناء ۔ حسن ظن ۔
تصغیر النفس ۔ توقیر اخوان ۔ حرمت شیوخ ۔ وغیرہ وغیرہ

اصل یہ ہے کہ صوفیت کا وجود اپنی اصل یعنے ولایت کے اعتبار سے حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے اسوقت تک سلسل موجود رہا ہے امم سابقہ کے صوفی اولیاء احبار ورہبان وغیرہ القاب سے ملقب تھے قرآن مجید میں صوفیوں یعنے انہیں اولیاء کو اتقیاء وصدیقین وصالحین کے ناموں سے یاد فرمایا گیا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے
بعد اولیاء اور افاضل امت میں سے جن حضرات نے حضور
رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت حاصل کیا تھا وہ
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبرک نام سے موسوم
ہوئے اس زمانہ میں صحابیت ایک ایسی فضیلت تھی جو دیگر
تمام فضیلتوں سے برتر تھی اس کے بعد دوسرا دور ان حضرات
کا ہے جن کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت
کا شرف حاصل تھا یہ لوگ تابعین کے نام سے موسوم ہوئے
اور ان حضرات نے بھی اپنے لئے تابعیت کو [illegible] شرف
اسمار خیال کیا اس کے بعد اُن حضرات کا زمانہ ہے جنہوں نے
حضرات تابعین کے فیض صحبت سے استفادہ کیا یہ حضرات

تبع تابعین کے نام سے موسوم ہوئے اس کے بعد جب لوگوں میں اختلافات
پیدا ہوئے اور مراتب بڑھ گیا۔ ضرورت وقت ہوئی تو اس زمانہ کے
خاص خاص لوگوں کو جن کو دین کی طرف شدید توجہ تھی زہاد
و عباد کہا گیا اس کے بعد جب بدعتیں ظاہر ہونے لگیں اور مختلف
فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقہ نے دعوی کیا کہ ان میں زہاد موجود
ہیں تو خواص اہل سنت نے جنہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنی لو لگائی
تھی اور جنہوں نے اپنے دلوں کو غفلت کے راستوں سے محفوظ
رکھا تھا وہ اکابر دوسری صدی میں اہل تصوف کے نام سے
موسوم ہوئے۔ سب سے پہلے شخص جو صوفی کے لقب سے
ملقب ہوئے وہ ابو ہاشم صوفی ہیں جن کا زمانہ ۱۶۱ھ
کا ہے۔

س (۲۵) کیا تصوف دیگر مذاہب کیطرح جدید مذہب ہے یا اسی

خالص دین اسلام کا نام ہے ۔

ج (۲۵) تصوف دراصل اسی درجہ احسان کا نام ہے جو دین اسلام

کی اصل غرض وغایت ہے اور جس سے مراد ظاہری و باطنی کمال اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہے اور اسی کمال اتباع نبوی کو ہی خالص دین اسلام کہنا سزاوار ہے جو بلا افراط

ظاہریہ و مادیہ اور بلا تفریط رہبانیہ و باطنیہ ایک

صراط مستقیم ہے ۔ الغرض تصوف کوئی جدید مذہب نہیں ہے

بلکہ خالص دین اسلام ہی کو تصوف کہہ سکتے ہیں ۔ اسلام

اور تصوف میں کسی قسم کی مغائرت نہیں ہے ۔

س (۲۶) انسان عارف کب کہلاتا ہے ۔

ج (۲۶) انسان عارف اسیوقت کہلا سکتا ہے جب حسب رہنمائی شریعت اپنے پروردگار کی ذات وصفات کی شناخت و معرفت حاصل کرے اور یہ اسیوقت ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی ذات وصفات کی شناخت کرے اور موجودات عالم کے حقائق سے واقف ہو جائے۔ گویا خدا کی معرفت معرفت نفس انسان و معرفت حقائق عالم پر مبنی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق — اسیطرح دکھلا دینگے ہم انکو اپنی نشانیاں کائنات عالم میں اور خود انکے نفوس میں یہانتک کہ صاف صاف واضح ہو جائیگا جو کچھ حق ہے۔ مخفی نرہے کہ اسماء وصفات باریتعالےٰ مظاہر ذات ہیں اور عالم کے تمام موجودات مظاہر اسماء وصفات باری ہیں اور انہی کے مختلف مقتضیات کا نتیجہ بس عالم گویا اپنی اسماء وصفات کے مظاہر کا بڑا مجموعہ ہے۔ اور انسان چونکہ عالم کا خلاصہ ہے۔ اس لئے وہ بھی تمام مظاہر اسماء وصفات کا مجموعہ ٹھہرا تو اسکی شناخت و معرفت کیلئے لازم ہوا کہ انسان اپنی ذات اور تمام عالم کا بغور مطالعہ کرے۔

رہی یہ بات کہ اس اجمالی و تفصیلی صورتوں کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کمال ذاتی کے عرفان کا حصول آسان ہونے کیلئے یہ اجمالی و تفصیلی صورتیں بنائی گئی ہیں کیونکہ عام طور پر وہی کاریگر اور استاد فن مانا جاسکتا ہے جو اپنی کاریگری جس طرح وہ بڑے سے بڑے پیمانہ پر بنانا جانتا ہو اسیطرح اسکو چھوٹے سے چھوٹے پیمانہ پر بھی بنا سکتا ہو۔

مثلاً ایک مصور ایک شہر کی تصویر اگر بڑے سے بڑے پیمانہ پر مثلاً دو چار مربع گز کی سطح پر اُتارنا جانتا ہو تو اسی شہر کی تصویر مع تمام جزئیات کے ایک چھوٹے سے چھوٹے کاغذ پر بھی اتارنا جانے اس مثال سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ خداوند تعالیٰ نے پہلے آیاتنا فی الآفاق کیوں فرمایا اور پھر اسکے بعد فی انفسہم کیوں فرمایا۔ کیونکہ جب تفصیل آفاق یعنے موجودات عالم کی معلوم ہوگئی تو پھر اسکا اجمال جو نفس انسان میں ہے خوب معلوم ہوسکتا ہے۔ ایسا ہی جب یہ اجمال یعنے انسان کا جامع جمیع عوالم ہونا معلوم ہوگیا تو اب ذات باریتعالیٰ کا جامع جمیع صفات و اسما ہونا بھی متحقق ہوگیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ یعنے جس نے اپنے نفس کی شناخت کی وہ اپنے رب کو بھی جان سکتا ہے۔

اور ایسی معرفت و شناخت والے شخص کو عرفاً عارف کہا جاتا ہے۔ اور جب کہ عارف کامل اپنے نفس کی سیر میں انتہائی حد کو پہونچتا ہے تو اسکو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس نے جو کچھ پہچانا تھا وہ صفات کی حد تک ہی محدود تھا جو عوارض ذات میں رہی اپنی حقیقت ذات وہ پھر مجہول و غیر معلوم رہجاتی ہے تو وہ کنہ ذات کی نسبت اپنی عاجزی کا اظہار و اقرار کرنے لگتا ہے اور یہ اسے یقین ہوجاتا ہے کہ کنہ ذات باری تعالےٰ بالکل ناقابل ادراک ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔

س (۲۷) کیا عارف کامل کا پابند شریعت ہونا ضروری ہے۔

ج (۲۷) جواب نمبر (۲۶) میں عارف کی تعریف کردی گئی ہے نیز یہ بھی کہ خدا کی معرفت اپنی اور عالم کی حقیقت کی معرفت پر مبنی ہے گویا عارف کامل اسماء و صفات کے مظاہر کا مجموعہ ہے۔ اور جیسا کہ اسماء اللہ مختلف و متضاد و [illegible]

اسیطرح عارف اور انسان کامل بھی مجموعہ اضداد و موجود بین العدمین ہے کیونکہ اسکی حقیقت یعنے اسکی عین ثابتہ فی نفسہ اوّلاً و آخراً معدوم ہے اور اسپر ہر آن وجود کا فیضان ہونے سے وہ موجود کہلاتا ہے ورنہ آن ماضی بھی اسکے حق میں معدوم ہے اور آنِ مستقبل بھی معدوم اور ہر آن وہ اپنے وجود کیلئے اپنے رب کا محتاج ہے اور شریعت کے احکام چونکہ تعبدی ہیں اور بندگی کی نسبت مولیٰ سے قایم رکھنے کیلئے موضوع ہوئے ہیں ایسی حالت میں جبتک احتیاج الی اللہ قایم ہے تب تک بندگی کی نسبت بھی قائم ہے اور اسی تعبدی نسبت کا نام پابندی شریعت ہے کیونکہ اتصاف بالعبودیت ہی عین شریعت ہے۔ کیونکہ ثابت ہوا کہ شریعت کی پابندی عارف پر ضروری ہے اسکا ترک کیسطرح عارف کامل سے ممکن نہیں۔ اب رہی حالت سکر وغیرہ جو بعض صوفیہ پر طاری ہوتی ہے وہ بیخودی کی حالت ہے جس سے وہ مکلف ہی نہیں رہتے اور شریعت تو عقل کے ساتھ ہے جیساکہ باریتعالی کا ارشاد ہے۔

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی یعنے حالت سکر و نشہ میں نماز کے پاس نہ جاؤ

مگر چونکہ یہ حالت سکر و دیگر احوال کیطرح غیر دائم اور سریع الزوال ہے۔ لہذا اسکا اعتبار مخصوص ہے عام طور پر تو یہی کہا جائیگا کہ عارف کامل خواہ کیسے ہی مدارج پر پہونچے اس سے ترک شریعت ممکن نہیں۔

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے تابعین صحابہ راشدین و اولیاء کاملین کے احوال پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ کیسے پابند شریعت تھے۔

س (۲۸) مسئلہ خلق افعال میں صوفیہ کرام کا مشرب کیا ہے۔

ج (۲۸) قضاء و قدر کے بیان میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ انسان کی حقیقت عدم ہے یعنے اسکی عین ثابتہ ایک معدوم شے ہے جو ہمیشہ معدوم ہی معدوم ہے۔

ما شممت رائحۃ الوجود ..... یعنے وجود کی بو باس تک نہیں جانتی اور انسان کے افعال و حرکات و سکنات یہ سارے اسکی عین ثابتہ کے آثار و استعدادات ہیں جو وجود میں ظاہر ہو رہے ہیں اور انکی نسبت اسکی طرف بھی ہوئی جو ظاہر فی الوجود ہو۔ عین ثابتہ کے آثار و استعدادات بغیر فیضان وجود باری کے ظاہر ہی نہیں ہو سکتے لہذا انکی نسبت لازمی طور پر خدا کے طرف بھی ضرور ٹھہری جسکا فیضان انکی ظہور کا باعث ہے

جیساکہ نور آفتاب اور آئینوں کی مثال سے بیان کیا گیا ہے کہ آئینوں کی رنگا رنگی کو
دونوں کیطرف منسوب کرنا لازم ہے نہ فقط ایک ہی طرف جو علانیہ غلطی ہے۔

س (۴۹): سالک و مجذوب کی تعریف اور انمیں فرق کیا ہے اور انکا کیا حکم ہے۔

ج (۴۹): سالک کی تعریف جواب نمبر (۸) میں بیان کر دی گئی ہے کہ وہ شاہراہ شریعت پر خاص طور سے چلنے اور اسکے مختلف مقامات پر استقامت کیساتھ سیر کرتے ہوئے منزل مقصود قرب و وصال ایزدی تک پہونچنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ اور مجذوب اسکو کہتے ہیں جو مختلف مقامات سیر و سلوک کی محنت و ریاضت اٹھائے بغیر یونہی آسانی کیساتھ یکایک قرب و وصال ایزدی کے منزل مقصود پر فائز المرام ہو جاتا ہے تو گویا ایسے لوگوں کی یوں مثال ہوئی جیسے کہ کوئی اونچے بنگلہ پر بغیر سیڑھیوں کے چڑھے محنت اٹھائے کسی ذریعہ سے اوپر کھینچ لیا جاوے چونکہ ایسے لوگونکو اس یکایک جذب و کشش سے ایک نئی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو سراسیمگی اور مدہوشی اور دیوانگی کے مشابہ ہوتی ہے۔

لہٰذا انکی نظر یکلخت دنیا و مافیہا سے اٹھ جاتی ہے اور ہمہ تن اسی عالم بالا کے

عجائب میں مستغرق ہو جاتے ہیں اور اسطرح عام لوگوں کی نظر میں دیوانے سے معلوم ہوتے ہیں بخلاف سالکین کہ وہ اس مقام قرب و وصال تک بتدریج تمام مقامات کی سیر کرتے ہوئے پہونچتے ہیں۔ لہٰذا انکی حالت وارفتگی اور حیرانی کی نہیں ہوتی۔
اسی واسطے انکا درجہ بہ نسبت مجذوبین کے اتم و اکمل ہوتا ہے اور ان سے باقاعدہ طور پر عموماً مثل انبیاء کے فیض و فائدہ لوگوں کو پہونچتا رہتا ہے اور یہ حالت مجذوبین کو حاصل نہیں حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء سے یہی لوگ مراد ہیں۔

س (۳۰) شطحیات کی کیا تعریف ہے اور انکا کیا حکم ہے۔

ج (۳۰) شطحیات ان کلمات کا نام ہے جو بعض بزرگان دین سے غفلت میں بطور فخر و تعلی صادر ہوئے ہیں جو ایک قسم کا ادعا ہوتا تھا مگر محققین کا ملین سے شاذ و نادر ہی سرزد ہوئے ہیں۔ اور چونکہ وہ مشتمل ادعائے حق ہوتے تھے۔ اس لئے محققین کی زلات و لغزش کاملین سے منصور ہوتے تھے اسی وجہ سے اُن کلمات کو بطور استدلال کے پیش کرنا یا انکے غلط معنے لگانیکی کوشش کرنا یا اُن [illegible] وانکار و تشنیع سے دیکھنا مناسب نہیں ہے۔

س (۲۱) کیا ولی کی شناخت کیلئے کوئی علامت مقرر ہے۔

ج (۲۱) کوئی ایسی علامت مقرر نہیں ہے جو عامۃ الناس کو عام طور پر قاعدہ کلیہ کا کام دے سکے۔ اہل اللہ اُن لوگوں کیلئے جو خود قابلیت وصلاحیت رکھتے ہیں خاص علامتیں ہیں جو انکے لئے مخصوص ہیں یا نہ عوام کیلئے مثلاً حدیث۔ اذا رأوا ذکر اللّٰہ یعنے انکے دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے۔

چونکہ اولیاء اللہ کا پہچاننا بڑی مشکل ہے انکی شناخت دراصل وہی کر سکتا ہو جو خود بھی اُنکے مشرب سے خاص لگاؤ رکھتا ہو۔ چنانچہ اسی بناء پر ضرب المثل ہو چکی ہے۔ ولی را ولی می شناسد۔

س (۲۲) قطب۔ غوث۔ ابدال۔ افراد۔ نجباء۔ نقباء۔ اوتاد کی تعریف کیجئے۔

ج۔ (۲۲) قطب ہر زمانہ میں ایک برگزیدہ شخص ہوتا ہے جو تمام عالم میں خاص طور پر خدا کا منظور نظر ہوتا ہے اور اسکا اثر تمام عالم کے جزو کل میں ایسا ساری ہوتا جیسے روح کا اثر تمام جسم میں۔ کیونکہ خدا کے طرف سے اُسے تصرف اعظم عطا ہوتا ہے اور فیضان اعم کی ترازو اسکے ہاتھوں میں دیجاتی ہے اور وہ

واسفل پر بواسطہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روح حیات کا افاضہ کرتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ قلب حضرت اسرافیل پر ہوتا ہے یعنے اس ملکوتیت کیوجہ سے جو مادہ حیات کی حامل ہے نہ اس انسانیت کیوجہ سے جس میں وہ سب کا شریک و برابر ہے۔

غوث۔ جس قطب میں فریادرسی کی صفت خداوند عالم نے ودیعت کی ہو وہی غوث کہلاتا ہے۔

ابدال۔ جمع بدل کی ہے۔ یہ سات برگزیدہ شخص ہیں جنمیں سے اگر کوئی مرجاوے یا اپنا ٹھکانہ چھوڑے تو ضرور اپنی جگہ کسی کو قایم کرجاتا ہے بہرحال سات کی تعداد کم نہیں ہوتی یہی وجہ تسمیہ انکی ہے بعضوں نے انکی تعداد چالیس بتائی ہے واللہ اعلم یہ قلب حضرت ابراہیم پر ہوتے ہیں۔

افراد۔ یہ وہ یگانہ روزگار و یکتائے زمانہ اشخاص ہیں جو نظر اقطاب سے خارج ہوتے ہیں۔

اوتاد۔ جمع وتد کی ہے وتد میخ کو کہتے ہیں یہ چار شخص ہیں جو چاروں ستا[illegible]

مغرب و مشرق و جنوب و شمال میں متعین ہیں۔
نجبا۔ ان کی تعداد چالیس بتائی جاتی ہے۔ انکا کام ہمیشہ عام طور پر خلائق کی حاجت
برآری و امداد ہے یہ ہمیشہ اپنے غیروں کیلئے وقف ہیں۔
نقبا۔ ان کی تعداد تین سو بتائی گئی ہے انکا کام ہمیشہ نفوس انسان کے پوشیدہ
اسرار کا استخراج ہے۔
س (۳۳) ابو الوقت اور ابن الوقت سے کون مراد ہیں۔
ج (۳۳) وقت صوفی کے اس حال کا نام ہے جو اسکو استعداد عطا کرتا ہے یعنی
وہ بغیر کسی اکتساب تکلف و تصنع کے حاصل ہو جاتا ہے اور حال کی تعریف یہ ہے کہ
وہ خدا کی طرف سے صوفی قلب پر وارد ہوتا ہے جسکو اصطلاح تصوف میں وارد قلبی
کہتے ہیں جو دیر تک قایم نہیں رہتا اور اگر قایم رہ جائے تو مقام کہلاتا ہے نہ حال
بعض اعلےٰ پایہ کے صوفیہ کرام ایسے بھی ہیں جنہیں اسکے حال پر اقتدار عطا ہوتا ہے
اور وہی ابو الوقت کہلاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں یہ اقتدار نہیں ہوتا بلکہ وہ خود
اس وارد قلبی کے تابع ہو جاتے ہیں جیسے کہ عموماً صوفیہ کی کیفیت ہے تو خواہ وقت

کہتے ہیں یہاں اتنا سمجھنا کافی ہے

س (۲۴) معجزہ کرامت۔ استدراج۔ ارہاص کی کیا تعریف ہے۔

ج (۲۴) یہ چاروں خرق عادات ہیں اگر بلا ایمان وعمل صالح کے یہ امور کسی سے پائے جائیں تو انکو استدراج کہینگے جسکے معنے ڈھیل دینے کے ہیں جس کسی کو خداوند عالم خرق عادت دیتا ہے گویا اُسے ڈھیل دیتا ہے اگر یہی امور ایمان وعمل وصالح کیساتھ ہوں تو کرامت کہلاتے ہیں اور کرامت کے معنے بزرگی کے ہیں خداوند عالم صالحین کی بزرگی اسطرح جتاتا ہے۔ اور اگر نبی سے ادعائے نبوت کیساتھ ان امور کا ظہور ہو تو وہ معجزہ کہلاتے ہیں یہ چیز عام لوگوں کو خداوند عالم کیطرف سے عاجز کرنیوالی اور نبوت کی تصدیق پر مجبور کرنیوالی ہوتی ہے اور اگر قبل ادعائے نبوت نبی سے یہ امور صادر ہوں تو انکو ارہاص کہا جاتا ہے جو معنی پختہ کرنیکے ہیں۔ گویا ارہاص کے ذریعہ سے خداوند عالم نبی کی نبوت کو قبل از قبل مضبوط اور پختہ کر دیتا ہے۔

س (۲۵) یقین کے مراتب بیان کرو۔

ج (۲۵) یقین کے تین مراتب ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔

علم الیقین وہ ہے جو دلائل سے مسلم ہو۔ اور عین الیقین کشف و شہود سے اور حق الیقین ذوقاً و تحققاً حاصل ہوتا ہے مثلاً موت کا علم تو علم الیقین ہے اور جب سکرات شروع ہوجاوے تو یہ عین الیقین ہے۔ اور جب موت ذوقاً و تحققاً حاصل ہو جاوے تو یہ حق الیقین ہے۔

س (۳۶) تشبیہ و تنزیہ کی کیا تعریف ہے۔

ج (۳۶) لغت میں تشبیہ کے معنے مشابہت دینے کے ہیں۔ اور تنزیہ کہتے ہیں پاک کرنے کو اور اصطلاح میں صفات حدوث جو مخلوق کے صفات ہیں انکی نسبت خدا کیطرف کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں اور تنزیہ ان صفات سے خدا کو پاک سمجھنے کا نام ہے۔ چونکہ یہ دونوں باتیں نصوص کتاب و سنت سے خدا کیلئے ثابت ہیں۔ لہذا ان دونوں کا اثبات خدا کیلئے لازمی ہوا جو محققین صوفیہ کرام اور سلف صالح کا طریقہ ہے اور ان میں سے کسی ایک پر اقتصار کرنا جیسا کہ مجسمہ و حشویہ اور معتزلہ وغیرہ کرتے ہیں اسلام کے طریقہ کے خلاف ہے بلکہ خداوند عالم کی ذات و صفات کی عدم معرفت کا سبب ہے کیونکہ جہاں اسکی ذات کا مقتضا درجۂ اطلاق کا ہے وہاں اسکی صفات و اسماء کا

درجہ تعین و تقید کا ہے یعنے جیسے کہ اسکی ذات بحت کا درجہ ہویت کے لحاظ سے ہر شے کی نسبت سے پاک و مطلق ہے ویسی ہی اُسکے اسماء، وصفات کا مقتضا ان تمام تعینات و تقیدات پر شامل ہے جو عالم میں بصورت کثرت پائے جاتے ہیں پس معلوم ہوا کہ معرفت صحیحہ کاملہ جسطرح اسکی ذات کو درجۂ اطلاق و لاتعین میں مطلق و منزہ ثابت کرتی ہے ویسی ہی یہ معرفت اسکی ذات کو درجۂ اسماء، و تعینات میں تشبیہ و تقیید عطا کرتی ہے ورنہ ذات کو صفات سے الگ اور صفات کو زاید علی الذات کہنا لازم آویگا اور ایک وجود میں دو چیزیں ثابت کرنی پڑینگی جو خلاف توحید اور اثبات اثنینیت ہے اور محققین کے نزدیک ایک گونہ شرک متصور ہے۔ اسوجہ سے عارفین کاملین کا وہی طریقہ ہے جو سلف صالح کا ہے کہ تشبیہ فی التنزیہ اور تنزیہ فی التشبیہ ثابت و متحقق جانتے تھے جیسا کہ ذات متحقق فی الصفات ہے ویسا ہی صفات متحقق فی الذات ہیں اور ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں۔

الغرض۔ یہی صورت عرفان کامل کی ہے جسمیں صفات و اسماء کے لحاظ سے تشبیہ سے بھی انکار لازم نہیں آتا اور ذات کی اطلاق کے لحاظ سے تنزیہ بھی لازمی قرار پاتی ہے۔

اسیواسطے عارفین کاملین کے سوا کوئی اس معمہ کو جیسے چاہئے ویسے حل نہ کرسکا اور نہ کرسکتا ہے۔ مصرع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔

س (۳۷) مشاہدہ اور مراقبہ کی تعریف کیجئے۔

ج (۳۷) حدیث مذکورۂ آغاز کتاب میں جو احسان کے دو درجہ بتائے گئے وہی ہیں یعنے اعبد اللہ کانک تراہ یہ مشاہدہ ہے اور فان لم تکن تراہ فانہ یراک یہ مراقبہ ہے کیونکہ اصطلاحاً مشاہدہ اسکو کہتے ہیں کہ صوفی ہر حالت و ہر چیز میں خدا کے ظہور کا مطالعہ کرے۔ اور مراقبہ اُسے کہتے ہیں کہ صوفی ہر حالت میں خدا کو اپنا حاضر و ناظر سمجھے۔

س (۳۸) فکر اور ذکر کی کیا تعریف ہے۔

ج (۳۸) آفاق و انفس یعنے عالم کی موجودات اور خود اپنے آپ میں غور کرنے اور دلائل توحید سوچنے کا نام فکر ہے اور انہی دلائل سے خدا کو ہر دم یاد کرنے کا نام ذکر ہے۔

س (۳۹) رتبہ مشیخیت کیا ہے۔

ج (۳۹) شریعت اور حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور جانشینی کو رتبہ مشیخت کہتے ہیں یہ رتبہ نہایت جلیل القدر رتبہ ہے جسکی تعریف اسطرح کیگئی ہے کہ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ یعنی پیر و مرشد اپنی جماعت میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ پیغمبر اپنی امت میں ہوتا ہے اور چونکہ یہ رتبہ علم شریعت و حقیقت دونوں کو شامل ہے اس لئے بمصداق العلماء ورثۃ الانبیاء اسی رتبہ والا وراثت نبوت کا مستحق متصور ہو سکتا ہے۔ اور علماء سے مراد وہی علماء ربانیین و عارفین راسخین کاملین ہیں جو دراصل پیشوایان دین و رہنمایان مسلمین و مقتدایان کاملین فی العلم الظاہر والباطن ہیں جنکی اقتداء عین اقتداء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

س (۴۰) مشایخ صوفیہ کا طریق کیونکر چلا آرہا ہے۔

ج (۴۰) مشایخ صوفیہ کا طریق دراصل خالص دین اسلام کا طریق ہے جس کے شارع و عامل خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کے جانشین تمام صحابہ تابعین و تبع تابعین اسکے پابند تھے جسکا مختصر بیان جواب (۲۴) میں گزر چکا صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا مبارک دور ختم ہونے کے بعد سے

حدود میں جب اس قدیم طریق میں عام طور پر نمایاں تغیر واقع ہو گیا تھا تو حضرات صوفیہ کرام نے اس قدیم طریق کی تجدید کی اور جو نعمت باطن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ سے اہل بیت نبوۃ اور خلفاء میں سلسلہ بہ سلسلہ چلی آرہی تھی وہی اس زمانہ میں اصل اصول طریق تھی اس طریق کا فیض کامل اول و آخر سب اسی مبارک سلسلہ سے دنیا میں شائع ہوا۔

س (۴۱) اختلاف طرق کی کیا وجہ ہے۔

ج (۴۱) اختلاف طرق کی تفصیل جواب نمبر (۸) میں ہو چکی ہے پھر بھی مختصراً یہاں اسکی صراحت کیجاتی ہے الطرق الی اللہ بعدد الانفس یعنے خدا کی طرف پہونچنے کے اتنے ہی راستے اور طریقے ہیں جتنے نفوس بشریہ ہیں کیونکہ شریعت بمنزلہ ایک شاہ راہ عام کے ہے۔ جس پر ہر سالک کے چلنے اور مقامات کی سیر سے ایک چھوٹی راہ اس کے

نقشِ قدم سے بنتی ہے اور وہ اسی سالک کی ذات سے خاص ہوتی ہے کسی دوسرے کا اسپر چلنا ناممکن ہے کیونکہ وہ خاص تجلیات ربانی و روابط تعینی و تعلقات بین الرب والعبد پر مبنی ہوتی ہے جو ہر ایک کے ساتھ الگ الگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَاْن اسی پر ناطق ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ چند ایسے امور بھی ہیں جو اس خصوصیت سے مستثنیٰ ہیں اور جن پر عمل کرنا دوسروں کیلئے بھی ممکن ہے مثلاً خاص خاص قسم کے اوراد و اذکار ادعیہ و عبادات وغیرہ وغیرہ ہیں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو ایک پیر اپنے مریدین کو یکساں طور پر تعلیم و تلقین کرتا ہے اور وہی امور پیر و مرشد کی طرف منسوب ہو کر اس کا طریقہ کہلاتے ہیں۔

الغرض اختلاف طرق کی یہی وجہ ہے اور صوفیہ کیلئے یہ اختلاف طرق ناگزیر ہے کیونکہ ایک سالک کیلئے جو تجلیات ربانی اسکی مربی تھیں اگر وہی دوسرے سالک کیلئے مربی و متجلی ہو جائیں تو تجلیات الٰہی کا متناہی ہونا

اور تکرار فی الوجود لازم آئیگا حالانکہ ذات غیر متناہی کے تجلیات بھی غیر متناہی ہونا ضروری و یقینی ہے و لاتکرار فی الوجود۔

س (۴۲) متصوف و متشبہ کون ہے۔

ج (۴۲) صوفیائے کرام کے تین مدارج قرار دئے گئے ہیں۔ اہل ایمان صاحبان علم۔ ارباب ذوق۔ ایمان اصل اصول ہے جو متشبہ و متصوف اور صوفی میں یکساں پایا جاتا ہے۔ متشبہ میں محض ایمان ہوتا ہے۔ اور متصوف میں ایمان کیساتھ علم بھی اور صوفی ایمان، علم اور ذوق تینوں صفات سے متصف ہوتا ہے متشبہ کی نظر اور توجہ چونکہ متصوف کیطرف رہتی ہے اسلئے اسکو متصوف کے احوال سے بھی کچھ حصہ مل جاتا ہے اسطرح متصوف بھی صوفی کے احوال سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ صوفی زاہد کیطرح ہے اور متصوف متزہد کے مانند جو زاہد بننے کی کوشش میں ہو اور متشبہ وہ جسکی صرف بنت زہد اختیار کرنیکی ہو۔ اور جسمیں یہ تینوں صفات نہوں بلکہ صرف اپنی وضع بنائی ہو وہ نہ صوفی ہے نہ متصوف اور نہ متزہد۔ بلکہ وہ متشبہ کا متشبہ ہے۔ جو عجب نہیں کہ بمصداق "لا یشقی جلیسھم" اپنے تشبہ صادق کی وجہ سے کچھ حاصل کرے۔

س (۴۳) طریقہ ملامتیہ اور اسکی شرح جانی کیا ہے۔

ـــ ج ر ۲۳۲ ، طریقہ ملامتیہ وہ طریقہ ہے جسے خاص طریقہ اسلام کہنا چاہیے۔ شیخ اکبر
محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ وغیرہ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس فرقہ کا سرگروہ
بتایا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ مقدس جماعت اپنے آپکو ہمیشہ ظاہر میں نکاہ غیر میں ایک
معمولی انسان ظاہر کرنیکی کوشش کرتی رہتی ہے تاکہ اپنے تقرب و عرفان و تقرب
الی اللہ کو اغیار کی نظروں سے مخفی رکھے اور اغیار سے کوئی انکی اسرار پر واقف
نہ ہونے پائے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک پر نظر ڈالی جائیگی -
واضح ہو سکتا ہے کہ حضور نے کسطرح اپنے آپ کو باوجود اس تقرب و وصال
ایزدی کے جو کسی انسان کو حاصل نہیں تھا ایک معمولی انسان کی صورت میں پوشیدہ رکھا اور
کبھی اپنے ساتھیوں سے اپنے آپکو کسی نوع سے بھی ممتاز نہ ہونے دیا اسیوجہ سے
مسلمانوں میں سے بعض کوتاہ نظر فرقے مثلاً وہابیہ خارجیہ وغیرہ وغیرہ حضور کی ذات میں
کوئی خصوصیت بجز نبوت کے نہیں بتاتے اور خداوند عالم کے اس ارشاد پر دھوکہ
کھائے ہوئے ہیں کہ

قل انما انا بشر مثلکم یعنے کہدے اے نبی کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں

حالانکہ حضور اقدس کی شان بشری عام انسانوں کی بشریت سے بہت ارفع و اعلےٰ ہے خداوند عالم نے جہاں حضرت کو باعتبار جسم و صورت ظاہری بشرٌ مثلکم کہنے کی ہدایت فرمائی ہے وہیں یوحیٰ الیّ کا ایسا امتیاز قائم فرمایا کہ اسکے بعد کسی فرد بشر کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ حضور انور کو مثل اپنے معمولی بشر خیال کر سکے بلکہ ہمارا یہ فرض ہے کہ حضرت کی شان کو ہمیشہ ہم اس شعر کا مصداق سمجھتے رہیں و بس۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل   خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

غرضکہ اس تقریر سے آپکو واضح ہو گیا ہوگا کہ فرقہ ملامتیہ دراصل صوفیہ کرام میں اعلیٰ ترین اور اخص الخواص فرقہ ہے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی اقتداء اور پیروی میں سب سے زیادہ راسخ القدم اور سب سے زیادہ بلند پایہ رکھتا ہے جنکا مسلک اس شعر کا مصداق ہے۔

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش   ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

الغرض مذہب ملامتیہ کی غایت یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا جہاد نفس ہے اور یہ ریا سے بچنے کا عمدہ ذریعہ ہے و بس۔

س (۴۴) اصحاب تلوین واصحاب تمکین کون ہیں۔

ج (۴۴) اصحاب تلوین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی سیر و سلوک کی راہ میں ہوتے ہیں اور ایک حال سے دوسرے حال کیطرف ترقی کرتے جاتے ہیں۔ مختلف احوال کے توارد سے انکا رنگ بدلتا رہتا ہے جو عین معنے تلوین کے ہیں۔ اور اصحاب تمکین وہ لوگ ہیں جو واصل الی اللہ ہو گئے اور منزل مقصود کو پہنچ چکے انکی شان استقامت کی ہوتی ہے اکثر صوفیہ کے پاس مقام تلوین ایک ناقص مقام ہے مگر شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ اکمل مقامات ہے جیسیں صوفی صفت باری کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَاْنٍ سے متصف ہوتا ہے اور یہی مراد شیخ موصوف کے پاس تمکین فی التلوین ہے یعنے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَاْنٍ کی صفت میں کمال درجہ کا حصول۔

س (۴۵) قرب نوافل و قرب فرائض کی کیا تحقیق ہے۔

ج (۴۵) قرب نوافل کی مختصر تحقیق یہ ہے کہ جب بندہ مفروضہ عبادت کے سوا دیگر اعمال وعبادات میں مصروف ہوتا ہے تو خداوند عالم اسکو چاہنے لگتا ہے۔ یعنے خداوند عالم محب اور یہ محبوب ہو جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ کا ظہور اسکے تمام اعضاء و جوارح میں

لازم و ضروری ہے اور معدوم ہونا متصور ہی نہیں ہو سکتا اور یہی صفت ذات باریتعالیٰ کی ہے

س (۷۷) انسان کامل کی کیا حقیقت ہے۔

ج (۷۷) وہ شخص جو اپنے آپ کی اور عالم کی حقیقت سے واقف ہو چکا ہو اور بطرح تمام اخلاق و صفات و اسماء باریتعالیٰ سے متخلق و متحقق ہو چکا ہو اور اس خلافت رحمانی امانت کو جو اس میں ودیعت کیگئی ہے بخوبی سنبھالنے کا اہل ہو چکا ہو اور ہر طرح خداوند عالم کا خلیفہ اس عالم میں اپنے آپکو ثابت کر دکھائے اور اسطرح وہ تمام عوالم کونی و الہی و کلی و جزئی کا مجموعہ یا عالم کبیر کا مختصر ڈھانچہ اور اجمالی خاکہ اپنے کو ثابت کر دکھائے

س (۷۸) کیا دنیا میں دیدار خدا ممکن ہے۔

ج (۷۸) دیدار سے دو باتیں عرفاً مراد ہو سکتی ہیں ایک ادراک بحاسہ چشم ظاہری دوسرا ادراک بچشم بصیرت پہلی صورت جو زیادہ مستعمل و متبادر الی الذہن ہوا کرتی ہے یہ خداوند عالم کے دیدار کے لئے اس دنیاوی نشاءت میں ہرگز ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں کہ رَبِّ اَرِنِی اے اللہ مجھے تو اپنے آپ کو دکھا دے۔ لَن تَرَانِی کا خطاب ہوا یعنی اے موسیٰ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے

جب ایک جلیل القدر نبی کا یہ حال ہے جنکو خداوند عالم سے کلام کرنیکا شرف بھی حاصل تھا تو پھر عوام مسلمین کا کیا ذکر ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان کی حاسۂ بصری وہیں کام کرتی ہے جہاں حیز و لون پایا جاوے جو موجودات عالم تک ہی محدود ہے باری تعالیٰ کی ذات علی الاطلاق حیز و لون وغیرہ سے منزہ و برتر اور غیر محدود و غیر متناہی ہے اسوجہ سے حاسۂ بصر اسکے ادراک سے قاصر ہے۔

الغرض دنیاوی نشأت میں باریتعالیٰ کا دیدار ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ البتہ آخرت میں خداوند عالم جسکو چاہیگا اپنے دیدار سے مشرف فرمائیگا۔

رہا معراج میں نبی کریمؐ کا بحالت نشأت دنیوی دیدار الٰہی سے مشرف ہونا یہ ایک خاص بات تھی جو حضرتؐ ہی کی ذات سے مختص تھی۔ عام انسان یا اولیائے کرام تو کجا دوسرے انبیا علیہم السلام کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہو سکی اور آپ کی دنیاوی نشأت بھی خاص تھی یعنے دوسرونکی دنیاوی نشأت اور آپ کی نشأت میں کثیف و لطیف کا فرق تھا اس لحاظ سے آپکا دیدار الٰہی سے مشرف ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ آپکا دیدار الٰہی سے مشرف ہونا یقینی ہے مگر یہ بتانا کہ دیدار کس قسم کا

تھا مشکل ہے۔

س (۴۹) انسان کے موت کی کیا حقیقت ہے؟

ج (۴۹) روح جو ایک مدت کیلئے جسم عنصری میں رکھی جاتی ہے وقت مقررہ اسکے جسم سے علحدہ ہونے کو موت کہتے ہیں اور صوفیائے کرام نے موت کی تعریف اسطرح کی ہے۔

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ یعنے موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہونچا دیتی ہے۔

روح اور جسم کی مثال بالکل ایک پرند اور ایک قفس کی سی ہے پرند کو چھوڑ دینے کے بعد اسکی جو کیفیت ہوتی ہے وہی کیفیت بعد موت کے روح کی ہوتی ہے یعنے جسطرح کسی پرند کو پنجرے سے انست ہوجاتی ہے اور اسکی قوت پرواز بھی زائل ہوجاتی ہے اگر اسکو چھوڑ بھی دیا جائے تو بجائے اسکے کہ وہ وسیع فضا کی سیر کرے وہ پنجرے کو نہیں چھوڑتا اور پھر اسی میں گھسنا چاہتا ہے بخلاف اُن پرندوں کے جنمیں پروازکی قوت باقی ہوتی ہے اور انکو قفس سے انست بھی نہیں ہوتی وہ اڑکے چلدیتے ہیں

یہی مثال کفار و فساق اور اہل ایمان کاملین کی ارواح کی ہے کہ کفار و فساق کی روحیں جسم کی انست دنیاوی زندگی کی الفت سے بعد از مرگ اور زیادہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور جو مومنین کاملین ہیں وہ چونکہ دنیاوی زندگی میں بھی روحانی لذات رکھتے ہیں اسلئے ان کی روحیں موت کے بعد عالم بالا و اسفل کی سیر میں مصروف ہو جاتی ہیں

الغرض دنیاوی زندگی کے خاتمہ کا نام موت ہے۔ اور دنیاوی زندگی وہی اچھی ہے جو اعمال صالح میں بسر ہو جیسا کہ جناب باری عزاسمہ نے ارشاد ہوا ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یعنے مرنا جینا اسلئے لگایا تاکہ آزمائے کہ کون اچھے سے اچھا عمل کرتا ہے۔

اور جیسا کہ صائب نے فرمایا ہے۔

ترا در بوتۂ گل بہر آن دادند ایں مہلت
کہ سیم ناقص خود را کنی کامل عیار اینجا

س (۵۰) کیا اولیاء اللہ بعد از وفات زندہ ہیں اور کیونکر زندہ ہیں اسکا ثبوت کیا ہے؟

ج (۵۰) اولیاء اللہ بیشک زندہ ہیں مگر انکی وہ زندگی اس عالم دنیوی کی سی زندگی
نہیں ہے بلکہ وہ ایسی زندگی ہے جسے حقیقت میں زندگی کہنا چاہئے اور وہ
قیامت تک عالم برزخ ثانی میں رہیگی جو عالم حس و شہادت یعنے عالم ملک اور عالم ملکوت کے
درمیان ہے اس عالم کو عالم خیال منفصل بھی کہتے ہیں اور یہ عالم چونکہ دوسری ہے
اور وہ عالم برزخ اول جسمیں ارواح قبل حیات جسدی تھیں اور عالم برزخ ثانی جسمیں
روحیں بعد وفات رہتی ہیں جدا جدا ہے اور انکی صورت اسطرح ہے۔

عالم برزخ ثانی کا ثبوت اس آیہ کریمہ سے ملتا ہے۔ لقولہ تعالیٰ

وھم فی برزخ الی یوم یبعثون یعنے وہ ایک برزخ میں رہینگے اسدن تک
جبکہ وہ اٹھائے جائینگے ۔ اسی میں

اسی برزخ ثانی کیطرف اشارہ ہے اور حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ کی تصریح
ہے کہ اس برزخ ثانی کا علم کسی کو نہیں ہوتا بخلاف برزخ اولیٰ کے کہ اسکا علم
بذریعہ مکاشفہ اہل اللہ کو ہوتا ہے۔

رہا اسکا ثبوت کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں یا نہیں سیکڑوں آیات و احادیث سے
ملتا ہے جو مردوں کے سننے اور عذاب قبر کے بارہ میں صادق ہیں مگر یہاں ایک
آیت حیات شہدا ہی کافی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی اُن لوگوں کے متعلق جو خدا کی راہ میں
اَمْوَاتاً۔ مارے گئے ہوں یہ خیال نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں
بَلْ اَحْیَاءٌ یُرْزَقُوْنَ۔ بلکہ وہ زندہ ہیں انکو رزق دیا جاتا ہے۔
فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ خوش وخرم ہیں خدا کے دیئے ہوئے سے

جب خدا کی راہ میں کفار سے لڑکر مارے جانے کے یہ مدارج ہیں تو ہمیشہ خدا اور رسول کی
اطاعت میں نفس و شیطان کے مقابلہ میں جہاد کرتے رہنے کے کیا مدارج ہوں گے
وہ ظاہر ہیں جیسا کہ وارد ہے۔

چوتھا نقشہ

پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ الولایۃ افضل من النبوۃ تو یہاں ولایت سے ولایت خاصہ مقصود ہے۔ جو ہر ایک نبی کو حاصل ہے نہ ولایت عامہ جو اولیاء اللہ کو حاصل ہے۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا ہوگا کہ مقام ولایت ایک حد خاص پر منتہی ہو جاتا ہے بخلاف مقام نبوت کے کہ اس کے لئے کوئی حد و انتہا نہیں ہوتی اور نیز مقام نبوت و ولایت یا عموم و خصوص خلق کی نسبت سے یعنی ہر نبی ضرور ولی ہوتا ہے لیکن ہر ولی نبی نہیں ہو سکتا۔

س (۵۲) کیا کرامات و خوارق عادات اولیاء کیلئے ضروری ہیں؟

ج (۵۲) کرامات و خوارق عادات اولیاء اللہ کے نزدیک حقیقت (خداوندی) کے (بالکل) نا مقصود ہوتے ہیں اس عالم دنیا کی خصوصیت یہی ہے کہ یہاں ستر و ابہام کی شان رہے تاکہ ریا و نخوت و تبختر کا لگاؤ ہونے پائے بخلاف آخرت کے کہ وہاں ہر چیز کا ظہور و انکشاف لازمی ہے وہاں خدا کی رویت و دیدار ہونا مسلم ہے بخلاف یہاں کے کہ دیدار و رویت تو کجا اسکی معرفت بھی مشکل ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔

کہ خاصاں دریں رہ فرس راندہ اند ۔ بلا احصی از تک فرو ماندہ اند۔

الغرض خرق عادات اس عالم کے نشأت مخصوصہ کے خلاف ہیں جبتک انکی سخت ضرورت نہو تب تک انکا ظہور نہونا چاہیئے کیونکہ اولیاء اللہ کو مخلوق سے کچھ کام نہیں ہوتا چنانچہ وارد ہے۔

اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری یعنی میرے مقبول لوگ میرے قبا کے اندر ہیں انکو بجز میرے کوئی نہیں پہچان سکتا۔

البتہ انبیاء علیہم السلام کو جنکو خاص مخلوق کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا گیا ہے

اور مخلوق جبتک خرق عادت کا ظہور نہ ہو وہ نہیں مانتی اسلئے انبیا علیہم السلام کو معجزات یعنے خرق عادات کے اظہار کی اجازت ہے اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ خرق عادت اولیاء کیلئے فضیلت ہے یہ بالکل غلط ہے۔

س (۵۲) کشف والہام اور وحی کی کیا حقیقت ہے؟

ج (۵۳) کشف اصل لغت میں پردہ اٹھانے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اون معانی غیبیہ اور امور حقیقیہ پر اطلاع پانے کا نام ہے جو پردۂ غیب میں مخفی ہوں اور الہام اس علم کا نام ہے جو دل میں یکایک بغیر کسی استدلال وحجت کے آوے۔ اور عمل کیطرف داعی ہو یا وہ جو دل میں بطریق فیضان کے آجاوے اور وحی اسکو کہتے ہیں جو نفس میں خفا وسرعت کے ساتھ ڈالی جاوے مگر اصطلاح میں یہ انبیا علیہم السلام کیساتھ مخصوص ہے۔

س (۵۴) (کیا کشف والہام حجت ہوسکتا ہے)

ج (۵۴) کشف والہام بجز ان لوگوں کے جنکو یہ حاصل ہو اور بجز ان کے خاص تابعین کے اور کسی کے لئے حجت ودلیل نہیں ہوسکتا اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ تجلیات مخصوصہ ہیں

جو انہی اہل کشف کے مخصوصہ اذواق کے مناسب ہوتے ہیں جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا اس لحاظ سے دوسروں کا کشف و الہام سے استدلال کرنا گویا انکی تعمیم کرنا ہے جو غلطی ہے۔

س (۵۵) (کیا علم ظاہری کا سیکھنا صوفی ہونے کیلئے ضروری نہیں)

ج (۵۵) صوفیہ سے مراد عموماً سالکین ہیں اور سالک کے لئے علم ظاہری کا سیکھنا ضروری ہے کیونکہ علم طریقت کی تکمیل علم ظاہری کی تکمیل پر موقوف ہے اسلئے محققین کا یہ مقولہ مشہور ہے۔

الصُّوفِي الجَاهِلُ مَسْخَرَةُ الشَّيْطَانِ یعنے جاہل صوفی شیطان کا مسخرہ ہے اور اس بارے میں حدیث شریف ہے۔

فَقِيهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ یعنے ایک صوفی عالم کا وجود شیطان پر ہزار عابدوں سے بڑھکر بھاری ہے

مقولہ اور حدیث مسطورہ بالا سے ثابت ہے کہ بغیر علم شریعت کے کوئی عابد شیطانی دہوکوں سے بچ نہیں سکتا۔ بخلاف ایک فقیہ کے جو علم شریعت کی کامل سمجھ رکھتا ہوا اسکو

شیطان دھوکا نہیں دیسکتا شیطان کے اغوا کو وہ بذریعہ علم شریعت کی قوت سے تاڑ جاتا ہے
اور اسکا دفعیہ کر دیتا ہے۔ کقولہ تعالیٰ

اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا — یعنے جب انکو شیطانی اغوا کا احساس ہوتا ہے
فاذا ھم مبصرون — تو وہ تاڑ لیتے ہیں اور ہوشیار ہو جاتے ہیں

غرضکہ علم ظاہر کا سیکھنا صوفی پر لازم ہے جسکے بغیر صوفی شیطانی خطرات سے بچ نہیں سکتا
البتہ اس کلیہ سے مجاذیب مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ خاص جذبات الٰہی کی وجہ سے بلا سیر
وسلوک کی محنت اٹھائے ایکدم منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں مگر انکی اس خاص
حالت پر دوسروں کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق وغیر جائز ہے۔

س (۵۶) کیا صوفیہ شیطانی دھوکوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں بصورت ثانی پھر بچنے کا کیا طریقہ ہے

ج (۵۶) یہ ایک مسلم عقیدہ اہل حق کا ہے کہ کوئی شخص بجز انبیاء علیہم السلام کے
معصوم نہیں یعنے اغوائے شیطانی سے بالکل محفوظ نہیں ہو سکتا ؎

نفس اژدرہاست او کے مردہ است — از غم بے آلتی افسردہ است

یعنے نفس انسانی ایک اژدہے کی مثال ہے جسکی عمر بڑی ہوتی ہے اور وہ جلد مرتا نہیں

مگر کبھی وہ مردہ کی طرح جیسے حس و حرکت نظر آتا ہے تو کبھی [illegible] زندہ ہونے کے باعث دکھائی دیتا ہے اور جب [illegible] پکڑ کر [illegible]۔

اسکی نسبت سیکڑوں آیات و احادیث ہیں جنکا ذکر کرنا موجب تطویل ہوگا مگر ایک حدیث یہاں کافی ہے اخرجه مسلم فی صحیحه

ما منکم من احد الا وقد وکل به قرینه من الجن وقرینه من الملائکة قالوا وایاک یا رسول الله قال وایای ولکن الله اعاننی علیه فاسلم فلا یامرنی الا بخیر (مشکوٰۃ [illegible])

یعنی تمہارے ہر ایک کیساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکے ساتھ بھی ہے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے مگر خدا نے مجھے اس پر غالب کر دیا ہے سو میں بچ جاتا ہوں یا وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ یا مطیع ہو گیا ہے پس وہ مجھے خیر ہی کا حکم کرتا ہے

(رواہ مسلم [illegible])

تنبیہ: لفظ اسلم کی دو طرح سے روایت ہے ایک بضم میم یعنی میں بچ جاتا ہوں۔
(۲) بفتح میم یعنی وہ مطیع ہو گیا ہے یا مسلمان ہو گیا ہے۔
غرضکہ ہر انسان کیساتھ شیطان اور نفس دونوں لگے ہوئے ہیں۔

ایسی حالت میں کوئی شخص شیطان کے شر سے نہیں بچ سکتا اگر ان سے کوئی بچنے کی
صورت ہے تو شریعت اور پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور یہ اہل
علم ہی کا کام ہے ورنہ صوفی جاہل مسخرہ شیطان مشہور ہے اور حدیث فقیہ واحد
اشد علی الشیطان من الف عابد یہ بھی اسی کا مطلب ہے۔

تنبیہ فقیہ کہتے ہیں احکام و علم شریعت کی سمجھ بوجھ رکھنے والے کو نہ کہ فن
مصطلح کے پڑھنے والے کو۔

س (۵۷) سماع کی حقیقت کیا ہے کیا وہ صوفی کیلئے ضروری ہے؟

ج (۵۷) خوش آوازی کیساتھ کوئی موزوں کلام سننے کا نام سماع ہے اور خوش آوازی
وموزونیت کلام کی پسندیدگی کا مادہ انسان میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے انسان کو
سماع سے رغبت ہوتی ہے۔ خوش آواز روح کو ابھارتی اور نشاط میں لاتی ہے
جس سے اچھے یا برے خیالات جو دل میں جاگزیں ہوتے ہیں وہ اسی طرح سے
برانگیختہ ہو جاتے ہیں اور یہی سماع کی حقیقت ہے رہا سماع کا جواز و عدم جواز کا
اختلاف ہے۔ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عام لوگوں کیلئے اسکا منع ہے

وارد خود بخود ہوتے ہیں اسکا سننا ثابت ہے تو یہ بات بہ نتیجہ اتنا ہے کہ چونکہ تمام اہلِ نیک
جذبات سے متاثر نہیں ہوتے ہیں اس وجہ سے عام طور پر سماع کا سننا جائز قرار نہیں دیا گیا۔
البتہ جو ایسے لوگوں کے حق میں سماع کا جواز مستثنیٰ ہوتا ہے جنکے قلوب صافی اور نیک جذبات
سے معمور ہوتے ہیں جو انکے حق پر سماع سے خیر ہی پیدا ہوتا ہے کیونکہ جذبات کے ابھرنے کا
باعث ہوتا ہے۔

چنانچہ بزرگانِ چشت علیہم الرحمۃ نے جنکے قلوب صافیہ اکثر محبت و عشق خدا کے
جذبات سے پر تھے نہ فقط اسکو جائز رکھا بلکہ اکثر اسکا مشغلہ رکھتے تھے مگر عام طور پر معمول نا
نہیں بلکہ شیخ و مریدین کی خاص مجالس میں۔
غرضکہ سماع انہی قلوب صافیہ کو فائدہ بخش ہوسکتا ہے جو برے جذبات سے پاک و صاف ہوں
عام لوگوں کے حق میں اسکے مفاسد و مضرتیں فوائد و منافع سے زیادہ ہیں۔ برادرانِ ہم
مذہب نے یہ مان لیا ہے کہ سماع باعث ازدیاد مدارج و ذریعہ وصول الی اللہ نہیں ہے
بلکہ وہ محض عشق و محبت خدا کے جذبات کو ابھارنے کا کام دیتا ہے اور جنہوں نے اسکو
اختیار کیا محض نیک جذبات کو متحرک کرنے کی غرض سے اختیار کیا نہ کہ اسے عبادت

وباعث ازدیاد مدارج سمجھا جو جیسا کہ آجکل سمجھتے ہیں [illegible]

غرضکہ سماع صوفی سالک کیلئے نہ تو ضروری ہے وسیلہ [illegible]

عبادت اسکی عبادت کیجائے اور اعتقاد [illegible] تکلیف گوارا کیجائے۔

اور نہ ایسے صوفی صافی کے حق میں [illegible] جسکے دل [illegible]

بھری ہوئی ہو اور اسکے لیے [illegible]

س (۵۵) نفس کے کتنے اقسام ہیں؟

ج (۵۵) نفس کے تین اقسام ہیں جنکا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔

نفس امارہ یعنے وہ نفس جو خواہشات نفسانی کا حکم کرے یہ نفس [illegible] کا ہے۔

نفس لوامہ یعنے وہ نفس جو مہذب ہو کر بری باتوں پر نادم و شرمندہ ہو جایا کرے یہ نفس متقین کا ہے۔

نفس مطمئنہ یعنے وہ نفس جسکو اپنے رب کے ساتھ اطمینان و سکون ہو جاتا ہے اور کوئی شک و شبہ اسے باقی نہیں رہتا اور یہی نفس راضیہ مرضیہ ہے اور اسی کو نفس ملہمہ بھی کہتے ہیں جسے حق تعالے سے الہام ہوا کرتا ہے۔

س (۵۹) انسان کو اس نشأت دنیا میں پیدا کرنے سے خدا کا کیا مقصود ہے؟

ج (۵۹) خداوند عالم کو انسان کے پیدا کرنے سے محض اپنی معرفت یا خلافت کا حصول مقصود تھا اگرچہ ان دونوں کا ماحصل ایک ہی ہے مگر حیثیت و اعتبار کے لحاظ سے یہ دونوں چیزیں جدا جدا ہیں یعنے معرفت سے خداوند عالم کا مقصود یہ تھا کہ اپنی ذات کو جو جامع جمیع صفات کمال اور بطور خزانہ مخفی کے تھی اسکو ظاہر کرے یا یوں سمجھئے کہ یہ صفات کمال جو اسماء اللہ سے مراد ہیں انکا اقتضاء یہ ہوا کہ وہ ظاہر ہوں و رشان جامعیت ظاہر ہو۔ چنانچہ اسی غرض کیلئے انسان کو پیدا کیا گیا جسکا کمال یہی شان جامعیت ہے۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے کہ جب آپ اپنی خوبیوں و محاسن کمال کو دیکھنا چاہتے ہیں تو آپکو آئینہ کی ضرورت ہوتی ہے جسمیں محاسن و خوبیوں کا پورا عکس اتر آتا ہے اور آپ اپنی صورت کو دیکھکر اپنے آپ کا تفصیلی اندازہ کر لیتے ہیں یہی مثال انسان کی ہے کہ وہ تمام اسماء الٰہیہ کا مظہر اتم ہے کیونکہ تمام عالم کی کائنات ان اسماء مختلفہ الٰہیہ کے مختلف مظاہر ہیں اور یہ تمام عالم کا خلاصہ اور مختصر ڈھانچہ ہے۔ لہذا تمام عالم کی مختلف تفاصیل اس مختصر ڈھانچہ میں مجملاً ملجاتی ہیں اور اسطرح انسان کا اپنے آپ کو پہچاننا گویا خدا کو

پہچانتا ہے اور یہی غرض ہے جس کیلئے انسان پیدا کیا گیا ہے اور دوسری حیثیت۔

خلافت ہے یعنے خدائے تعالیٰ کی قائم مقامی اور اسکی نیابت۔

چونکہ اس عالم دنیا یعنے عالم ملک وشہادت کی نشأت کا مقتضیٰ ستر و اخفا ہے۔ یعنے خدا کی خدائی کا ظہور ان ہی ممکنات عالم کے پس پردہ یہاں ہو رہا ہے یعنے اس عالم کی ہر ایک شے اس خدائی کے مختلف جہات میں سے کچھ کچھ جہتوں کی مظہر ہے لہذا مقتضائے حکمت ہوا کہ ایک ایسا نمونہ بنا دیا جائے جو ان تمام علحدہ علحدہ مختلف جہات کو اپنے اندر جمع کرے جیسے کہ اس عالم میں ذات خداوندی مختلف اسماء کی جامع ہے۔ وھوالذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ یعنے وہی ذات پاک ہے جو اس عالم بالا میں بھی شان الٰہیت رکھتی ہے اور اس عالم اسفل میں بھی شان الٰہیت رکھتی ہے جیسا کہ دونوں عالم میں وہ الٰہ ہے ایسا ہی ضرور تھا کہ کوئی اس شان الٰہیت کی نیابت کرے چنانچہ اس غرض کے پورا کرنے کیلئے انسان کو پیدا کیا گیا اور سب پر حکومت اسکو دیگئی اور سارے قوائے علوی وسفلی اسکے مسخر بنائے گئے چنانچہ یہ تسخیر مختلف حیثیتوں سے اپنا جلوہ کرتی رہی اور کر رہی ہے یعنے معنوی و روحانی لحاظ سے دیکھو تو جو

انسان کامل ہونے ہیں انکا ہر ایک فعل شانِ ربی اپنے اندر رکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث حتیٰ اکون سمعہ وبصرہ الخ اسکی بیّن وصریح دلیل ہے دیکھئے حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے جبال وغیرہ کا مسخر ہونا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا وغیرہ ساری اشیاء کا مسخر ہونا اور تمام نبیوں کے معجزات اور ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے معجزہ شق القمر وغیرہ اور بہر اولیاء اللہ کے کرامات یہ سب کے سب اسی تسخیر و خلافت الٰہیہ کو ظاہر کر رہے ہیں۔ پھر اگر آپ ظاہری لحاظ سے دیکھئے تو بھی آپکو اس خلافت کا اثر عیاں طور پر معلوم ہوگا کہ کسطرح انسان کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ میں خدائے تعالیٰ نے وسعت دی ہے اور کس قدر اس کی ان دونوں قوتوں کو عروج اور ترقی عطا فرمائی اور تمام قوائے عالم کو اسکی ان دونوں قوتوں کے تحت مسخر کر دیا۔

قولہ تعالیٰ وسخر لکم ما فی السموات والارض الایۃ۔ میں اسی طرف اشارہ ہے یعنے مسخر کیا تمہارے لئے ان قوتوں کو جو عالم بالا میں ہیں اور جو عالم اسفل میں ہیں یہ مادی ترقی کا حال ہے جسکو ترقی روحانی اور قوت ایمانی سے کوئی نسبت نہیں اور جس کا تعلق محض

امتیاز انسانیت اور عروج انسانیت کے ابتدائی زینہ سے ہے بایں ہمہ اس میں بھی بلکہ ہر شے میں عارفین کے لئے اشارات و دلائل موجود ہیں۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنیٰ تأمل۔

س (۶۰) دین اسلام کا اصلی مدعا کیا ہے اور وہ انسان کو کیا بنانا چاہتا ہے

ج (۶۰) نصوص قرآن و احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دین اسلام کا اصلی منشأ تہذیب ظاہری و باطنی کا نوع انسان میں پھیلانا ہے۔ اور وہ انسان کو ظاہری و جسمانی لحاظ سے ایک اعلیٰ درجہ کا متمدن اور مہذب اور باطنی اور روحانی لحاظ سے عارف کامل اور متخلق باخلاق اللہ یا خلیفۂ رحمانی بنا دیتی ہے اور ان کے حصول کیلئے اس نے دونوں قسم کی تعلیمات و ہدایات جاری کی ہیں اور نہ صرف اس دین پاک میں تعلیمات و ہدایات ہی پائی جاتی ہیں بلکہ اسلامیوں کے لئے وہ احکام شریعت کا کامل ترین مجموعہ ہے اور خداوند عالم نے بنی نوع

انسان کی ہدایت اور انکو گمراہی سے بچانے کیلئے ایسے نبی کو مبعوث فرمایا جنہوں نے
خود اپنی ذات سے دنیا کے سامنے بہترین عملی نمونہ ان دونوں باتوں کے
حصول کے لیے پیش فرمائے اور دنیا کو دکھا دیا کہ بشریت کے اعتدال اور روحانیت
و عرفان کی ترقی سے انسان کیونکر اعلےٰ درجہ کا انسان بن سکتا ہے اور مادی
تہذیب اور روحانی کمال دونوں کسطرح ایک جا بہترین طریقہ پر جمع ہو سکتے
ہیں اور اس جامعیت کا فخر اگر حاصل ہے تو دین اسلام ہی کو حاصل ہے۔

س (۶۱) کیا دین اسلام کے بانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا وہ قدیم دین
ج انسان کا ہے بصورت ثانی آپکی بعثت سے پھر کیا مقصود ہے۔

ج (۶۱) دین اسلام اس معنے کر کے کہ وہ توحید اور اخلاق حمیدہ سکھاتا ہے
اور فطرت انسانی کے مناسب رہنمائی کرتا ہے ایک قدیم دین ہے اور تمام
انبیاء مرسلین کا واحد دین ہے جسکا واحد مقصد اعلاے کلمۃ اللہ اور توحید ہے
چنانچہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

فبھداھم اقتدہ ۔ .... یعنی اے نبی آپ بھی اپنی پیغمبروں کے ہدایت کی

پیدا ہوتی ہے کیونکہ سنت الٰہی و فطرت اللہ چونکہ ارتقا کی مقتضی ہے اس لحاظ سے ہر چیز ایک ابتدائی درجے سے ترقی کرتے کرتے معراج کمال کو پہنچتی ہے یہی حال اس دین کا بھی ہے کہ تمام انبیاء کے دین درحقیقت اسی دین اسلام کے ابتدائی مدارج تھے جو رفتہ رفتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے انتہائی کمال کو پہنچ گئے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الآیۃ

الغرض دین اسلام ایک قدیم دین ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی دین اسلام کی تکمیل کے لئے ہوئی۔

چنانچہ انبیاء سابقین علیہم السلام بھی اسی کی پیشین گوئی کرتے رہے ہیں خصوصاً حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جو سب سے پیش پیش ہیں اور انکی بعثت کا مقصود اصلی اسی دین و بعثت محمدی کی خوشخبری سنانا تھا اور بس۔

س (۱۴) وصول الی اللہ کا کیا طریقہ ہے؟

ج (۱۴) گو یہ تفصیل طلب ہے بمصداق الطرق الی اللہ بعدد الانفس

وصول الی اللہ کے اتنے ہی طریق ہیں جتنے نفوس سالکین ہیں کیونکہ ہر سالک کا سیر
سلوک ایک خاص طریقہ پر ہوتا ہے جو اسکے اور اسکے رب کے درمیان
خاص رابطہ و تعلق کے مقتضا کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اسی ذریعہ سے وہ
منزل مقصود تک پہونچتا ہے۔ مگر اجمالی و کلی طور پر وصول الی اللہ کا محض ایک ہی
طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ظاہر و باطن اور جسمانی و روحانی طور پر ہر طرح سے حضور اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اقتدا کیجائے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔
ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ یعنے جو شخص سوائے اسلام کے کوئی اور
وھو فی الاخرۃ من الخاسرین دین اور ذریعہ وصول الی اللہ کا ڈھونڈے
تو یقیناً اُس سے وہ قبول و منظور نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں زیانکار ہوگا۔

جب کہ اسلام محض اسی طریقہ و طرز عمل کا نام ہے جسپر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے خلفاء عامل و قائم تھے اور دین اسلام محض تقرب الی اللہ کا ہی ذریعہ ہے
تو آیت بالا کا مفہوم یہی ہوا کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی

پیروی چھوڑ کر کوئی دوسرا ذریعہ تقرب الی اللہ کا ڈھونڈے تو وہ یقیناً نہ پائیگا
مگر اسے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے
لن یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً یعنے کوئی شخص ایمان والا نہوگا جب تک کہ
لما جئت بہ .... اسکی خواہش تابع میرے لائے ہوئے دین کی
ہو اور ذیل کے شعر سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ **شعر**

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

س (۶۳) اسماء الٰہی جو ائمہ سبعہ کہلاتے ہیں کون سے ہیں؟

ج (۶۳) سات ہیں۔ **الحی۔ العالم۔ المرید۔ القادر۔ الجواد۔ المقسط۔ المعطی۔**

س (۶۴) قرآن پاک میں جو ارشاد ہے۔ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید
وانہ علی کل شیء محیط۔ یہ قرب و معیت و احاطہ ہر شئی کیساتھ ذاتی ہے
یا علمی؟

ج (۶۴) علماء ظاہر کے پاس یہ قرب و معیت علمی ہے یعنے خدا کا علم ہر شئی سے

قریب و ہر شئے کو محیط ہے اور صوفیہ کرام کے پاس ذاتی ہے یعنے خدا اپنی ذات سے ہر شئے کے قریب اور ہر شیٔ کو محیط ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تمام کائنات کے موجود ہونے کے یہی معنی ہیں کہ انکی اعیان ثابتہ کے آثار و استعدادات وجود کی چادر میں جو سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہے ظاہر ہو رہی ہیں اور وہ وجود باری تعالیٰ کا ہے اور جب اس وجود کے اندر سارے اشیاء کا ظہور ہو رہا ہے تو وہ وجود کسی شئے سے علیحدہ نہیں بلکہ ہر شئے پر محیط ہے اس لحاظ سے وہ یقیناً رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے جیسے نور آفتاب جسکی چادر میں ساری اشیاء کا ظہور ہو رہا ہے اور نور کی چادر سب اشیاء کو محیط ہے اور کسی شئے سے علحدہ نہیں ہے مگر باوجود اس کے عین اشیاء نہیں ہے اسی طرح وجود کی کیفیت ہے کہ سب کو محیط ہے اور اقرب ہے مگر عین شئے نہیں۔

س (۲۸) وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں کیا فرق ہے اور ان دونوں کا ماحصل کیا ہے اور ہر ایک کے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ان دونوں کا تعلق

علم سے ہے یا عمل سے ؟

ج (۱۵) صوفیائے کرام جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں وہ اس وجود خارجی کو جو عالم کا ہے عین وجود حق جانتے ہیں اور اسکو مثل ایک چادر کے تصور کرتے ہیں جو تمام فضائے عالم میں پھیلی ہوئی ہے اور اعیان ثابتہ و ممکنات عالم کے آثار و استعدادات کا ظہور اسی چادر سے وابستہ بتلاتے ہیں اور ہر شے کو جو محسوس و مشاہد ہو رہی ہے اسکو عین ثابتہ کے آثار اور استعدادات قرار دیتے ہیں اسکو عین ثابتہ قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ عدم ہے اس لحاظ سے وجود کی مثال ممکنات عالم کیساتھ ایسی ہے جیساکہ ایک نور کی چادر ہے جو سبکو محیط ہے اور اشیاء کے امتیازات اس چادر نور میں ظاہر ہو رہی ہیں اور نور سب اشیاء کا باطن ہے یعنی جب اشیاء ظاہر ہوتی ہیں تو نور مخفی ہو جاتا ہے ایسا ہی وجود ممکنات فی الخارج کے وقت وجود باطن ہوتا ہے اور اعیان ثابتہ کے آثار و استعدادات ظاہر ہوتے ہیں۔ الحاصل اشیاء روشنی سے علیحدہ نہیں ہیں بلکہ وہ سبکو محیط ہے مگر باوجود اسکے کوئی شخص ان اشیاء کو

عین روشنی نہیں سمجھ سکتا ایسا ہی وجود سے کوئی شے عالم کی علیحدہ نہیں ہے یعنے وجود سب کو محیط ہے مگر باوجود اسکے ممکنات عین وجود نہیں ہیں جیسا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ نور السموات والارض۔ الآیۃ واضح ہو کہ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ حضرات وجودیہ علیہم الرحمہ کا مسلک ہے۔

اب رہا حضرات شہودیہ کا مشرب۔ وہ یہ ہے کہ عالم کا وجود خارجی اُن کے نزدیک عین وجود باریتعالیٰ نہیں ہے بلکہ یہ اسکا عکس ہے جیسے آئینہ میں کسی شخص کا عکس دکھائی دیتا ہے اور دیکھنے میں دونوں ایک ہی نظر آتے ہیں مگر درحقیقت عکس عین شخص نہیں ہے بلکہ درحقیقت شخص ہی موجود حقیقی ہے اور یہ عکس ایک وہم وخیال مگر چونکہ عکس اسی کا ہے نہ غیر کا لہذا اس صورت میں ہمہ از وست کہنا صحیح ہوگا نہ ہمہ اوست۔ بخلاف حضرات وجودیہ کے کہ انکے نزدیک ہمہ اوست کہنا اس لحاظ سے صحیح ہے کہ وجود عالم وجود باریتعالیٰ کا ہی ہے جو اعیان ثابتہ پر مثل چادر نور کے فائض ہے۔ اور انہی اعیان ثابتہ کے

استعدادات و آثار کے لحاظ سے یہ ساری کثرت و امتیازات ہیں جو تجلی ذات علی الذات کا نتیجہ ہیں کیونکہ یہ ساری شیونات کثرت محض اسماء الٰہیہ کے مظاہر ہیں اور اسماء تجلی ذات علی الذات کا نتیجہ۔ اگرچہ وحدۃ الشہود و وحدۃ الوجود دونوں کا باریک بیں نگاہ میں نتیجہ ایک ہی برآمد ہوتا ہے کہ عالم عین حق نہیں بلکہ حق عین عالم ہے۔ مگر اعتباراً دونوں میں فرق ہے۔

الغرض ان دونوں مسلکوں کا تعلق علم سے ہے۔ نہ عمل سے کیونکہ یہ دونوں صورتیں اپنے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق ہیں اور یہ علم میں داخل ہیں نہ عمل سے متعلق ہیں۔ ؎

عبارا تنا شتّٰی و حسنک واحدٌ | وکلٌّ الیٰ ذاک الجمال یشیرٗ

ذات تیری ایک ہے پر بین باتیں مختلف | حسن تیرا ایک ہے پر بین باتیں مختلف

س (۲۲) صوفیہ کرام کے پاس کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا کیا مطلب ہے۔

ج (۲۲) صوفیہ کرام کے پاس یہ حقیقت مسلم ہے کہ دراصل سوائے خدا کے کوئی موجود نہیں ہے یعنے سب کائنات کی اصل جو اعیان ثابتہ ہیں عدم ہے فقط خدا ہی

ذات ایک موجود برحق ہے۔ چنانچہ صوفیائے کرام لا الہ الا اللہ کے معنی لاموجود الا اللہ کرتے ہیں اسی واسطے اسکے جواب میں انہوں نے کہا کہ اجعل الا لھتہ الھا واحداً یعنے کیا بنا دیا (حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے) سب موجودونکو ایک موجود اس سے معلوم ہوا کہ جتنے الہ مانے جاتے ہیں انمیں سے کوئی بھی غیر خدا نہیں یعنے جتنے مختلف معبودوں کی عبادت انہیں غیر خدا تصور کرکے کیجارہی ہے یہ دراصل خدا ہی کی عبادت ہورہی ہے

وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ یعنے انکو جو مشرک جو قرار دیا جاتا ہے یہ انکا زعم وخیال ادعا کا باعث ہے کہ وہ غیر خدا تصور کرکے عبادت کررہے ہیں ورنہ حقیقت میں عبادت جہاں ہورہی ہے وہ خدا کی ہی ہورہی ہے کیونکہ اسکے سوا کوئی موجود ہی نہیں اور معبود تو وہی ہوگا جو موجود بھی ہو نہ معدوم۔

جب اسطرح معنے قرار پائے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ سارے معبود مجازی کیوں حقیقت میں غیر خدا نہیں ہیں جیسے مشرکین انہیں تصور کرتے ہیں

چنانچہ ارشاد خداوندی انکے اس اعتقاد غیریت پر دال ہے۔

مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ یعنے ہم پرستش انکی محض اسی لئے کرتے ہیں کہ وے ہمیں خدا کے نزدیک کردیں۔ تو انکی توضیح یہ ہے کہ خدانے ارشاد فرمایا ہے کہ افرأیت من اتخذ الٰہہ ھواہ یعنے کافر و مشرک اپنی خواہشات ہی کو اپنا معبود بنارہے ہیں اس سے واضح ہوا کہ ہر وہ شے جسکی طلب و خواہش کیجائے وہ اس طالب کے حق میں اسکا معبود ہے اسیواسطے کہا ہے۔

من اشغلک عن اللہ فھو صنمک یعنے جو چیز خواہ وہ کچھ بھی ہو خدا سے روک کر تجھے اپنی طرف مشغول کرے وہ تیرا بت و معبود ہے۔

کیونکہ جس شے کی خواہش و طلب ہوگی وہ محتاج الیہ اُس شخص کی ہوگی اور وہ اسکی طرف حاجتمند و نیازمند ہوگا اور یہی حاجتمندی اور نیازمندی ہی عبادت ہے لہذا وہ شے اس طالب کے حق میں اسکی معبود و مقصود ہوگی۔ الغرض صوفیائے کرام کے پاس سوائے ذات باریتعالیٰ کے کوئی موجود ہی نہیں تو لازم آیا کہ جتنے معبود مقصود ہو رہے ہیں ان میں سے کوئی بھی غیر خدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جب کوئی

موجود ہی سرے سے نہیں تو پھر معبود کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ معبود ہونا تو دوسرا درجہ ہے پہلے موجود ہونا ہی تو اسکا مسلم ہو ورنہ معدوم کو کوئی معبود کیسے قرار دیسکتا ہے۔ لہذا اس لحاظ کرتے لازم ہوا کہ معبود پہلے موجود قرار دیا جائے حالانکہ صوفیہ کے پاس کوئی موجود سوائے خدا کے نہیں۔ بنابریں صوفیہ کے پاس لازم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کے معنے لا موجود الا اللہ کے ہی مانے جائیں کیونکہ انکی نقطۂ خیال سے اسکے معنے دوسرے ہو ہی نہیں سکتے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

س (۶۷) وحدۃ الوجود اور وحدۃ الموجود میں کیا فرق ہے اور ان میں سے کون صحیح ہے؟

ج (۶۷) وحدۃ الوجود ہی صحیح مسلک ہے اور وحدۃ الموجود غلط بلکہ موجب الحاد وزندقہ کیونکہ وحدۃ الوجود کا مطلب جیسا کہ پہلے بیان ہوا یہ ہے کہ وجود ساری کائنات کا دراصل ایک ہی وجود مطلق ہے جو بمنزلہ ایک نور کی چادر کے لامتناہی میں پھیلا ہوا ہے اور جسمیں تمامی کائنات کے اعیان ثابتہ یعنی

انکے آثار و استعدادات ظاہر ہو رہے ہیں اور اسی ظہور آثار سے وہ مقید ہو کر وجود مقید کہلاتا ہے اگرچہ اپنی اصالت کے لحاظ سے وہ مطلق ہے بخلاف وحدۃ الموجود کے کہ جسکے معنے بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتے ہیں کہ جتنے موجودات ہیں وہ سب ایک ہیں حالانکہ موجودات خارجی کے موجود ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وجود کے فیضان سے انکی اعیان ثابتہ اپنے آثار و استعدادات ظاہر کر رہے ہیں اور یہ ایک بین بات ہے کہ موجودات عالم بوجہ اپنی اعیان ثابتہ کے مختلف الآثار ہونے کے بالکل ایک دوسرے سے مختلف و ممتاز ہیں پھر انکو ایک کہنا اور ایک سمجھنا ایک علانیہ غلطی ہے۔

س (۶۸) مسئلہ تجدد امثال کی کیا حقیقت ہے؟

ج (۶۸) جواب نمبر ۶۶ میں بتلا دیا گیا ہے کہ وجود کی مثال نور کی سی ہے جسطرح سے نور تمام عالم کے اشیا پر فائض ہے اسیطرح وجود ہی سب پر محیط ہے یہ بات اس مثال سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ بجلی کی روشنی کے گلوب جسطرح مسلسل روشن دکھائی دیتے ہیں اور ان میں جو روشنی یکساں

قایم ہے اور اس روشنی سے سب اشیاء اپنی چمک و دمک و امتیازات و ہیات
دکھاتی ہیں اب آیا یہ روشنی ہمیشہ قایم ہے یا ہر آن بجلی کے خزانہ سے نئی آتی
جاتی ہے ذرہ غور کرنے سے اسکی حقیقت آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے کہ
اسکے عدم ظہور کا مدار اسکے بٹن پر ہے یعنی کہ اگر ہم ایک منٹ میں پچاس
بار دبائیں تو روشنی پچاس بار معدوم ہو کر پھر بٹن دبانے پر تو روشنی ظاہر ہو جائیگی اس سے
معلوم ہوا کہ یہ گلوب مستقل روشنی نہیں بلکہ ہر آن اسکو بجلی کے خزانہ سے متواتر
مسلسل یکساں امداد ملتی ہے جسکی وجہ سے یہ روشن ہیں اگر ایک لمحہ کیلئے بھی
یہ امداد بند ہو جاوے تو روشنی گل ہو جاوے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ گلوب کی
روشنی کا دارومدار امداد برق پر ہے اور ہر آن کی نئی امداد جو گلوبوں کو پہونچتی ہے
سامنے سے غائب ہے یہ روشنی قایم و دائم معلوم ہو رہی ہے ورنہ وہ دراصل
ہر بار روشن اور ہر بار خاموش ہو جاتے ہیں یہی مثال تجدد امثال کی بھی
ہے کہ ایک ہی صورت ہر آن نئی ہوتی جاتی ہے اگرچہ بظاہر اسکا تجدد پتہ
نہیں ہوتا محسوس نہیں ہوتا مگر فرق اتنا ہے کہ برقی روشنی بٹن کے بند ہونے سے

معدوم اور محسوس سے ظاہر ہو جاتی ہے اور تجدد امثال کی کیفیت یہ ہے کہ
کہ ایک ہی صورت صدہا بار نئی ہوتی اور بدلتی جاتی ہے مگر اس میں فصل محسوس
نہیں ہو سکتا ۔ الغرض عالم کی ہر شی کا بظاہر ایک ہی صورت پر محسوس ہونا اور در اصل
صدہا صورتوں کا ایک ہی وضع پر بدلنا اور نئی ہونا یقینی ہے پہلے ہی بتلادیا گیا ہے
وجود کی مثال ایک چادر نور کے مشابہ ہے جسمیں تمام ممکنات عالم کی صورتیں
یعنی ان کے اعیان ثابتہ کے آثار و استعدادات ظاہر ہو رہے ہیں اور
چونکہ یہ وجود منجانب اللہ مثل قوت برقی کے ہر ایک شے کو ہر آن نیا ملتا جاتا
ہے اور اس تسلسل و تواتر کی وجہ یکساں ہر ایک شے دائم قائم معلوم ہوتی ہے
مگر انکی ایک ہی وضع کی سینکڑوں صورتوں کا نئی ہونا اور بدلنا محسوس نہیں ہو سکتا
بلکہ بظاہر وہ ایک ہی صورت و وضع پر دواماً قایم معلوم ہوتے ہیں ورنہ ہر ایک
شعلہ کو اگر علیحدہ علیحدہ مانا جائے تو اسکا تسلسل آسمان تک چلا جاویگا۔

س (۹۹) اعیان ثابتہ کی کیا حقیقت ہے اور مسئلہ وحدۃ الوجود پر اسکا کیا
اثر پڑتا ہے ؟

حق رہا، اعیان ثابتہ دراصل نام عالم کے موجودات کے ان حقائق و ماہیات کا نام ہے جو علم باریتعالیٰ میں ازل سے ثابت ہیں اگرچہ یہ عدم میں ہیں اور عدم ہی سے مگر عدم محض نہیں بلکہ عدم ثابت ہیں کیونکہ علم باریتعالیٰ میں ثابت ہیں [illegible] وجود تو درجہ ذہنی ملا ہے اور نہ ملیگا مگر ثبوت کا رتبہ ضرور حاصل ہے انکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی ایک قطعہ زمین کا مالک ہے اور اس قطعہ پر وہ مکان بنانا چاہتا ہے تو وہ پہلے اسکے کہ اسکو بناوے ایک نقشہ مکان کا اپنے دل میں سوچ لیتا ہے اور اپنے ذہن میں ایک ایک حصہ زمین کو دالان و پیش دالان و حجرہ و نعمتخانہ اور حمام وغیرہ وغیرہ تصور کر لیتا ہے اور کسی حصہ کو اور ضروریات کیلئے مختص کر دیتا ہے۔ حالانکہ بظاہر وجود خارجی کسی کا نہیں ہوا بلکہ زمین بالکل خالی پڑی ہوئی ہے اور ذہنی منصوبات کی بنا پر اگر کوئی اور شخص اسکی مقرر کردہ دالان کے ملاحق اپنے علاقہ کی زمین پر پاخانہ بنانا چاہے تو وہ اسکو روک دیتا ہے اور مزاحم ہوتا ہے کہ اسکے متصل میرے مکان کا دالان واقع ہے اسکے متصل پاخانہ تعمیر کرنے سے مجھے بہت تکلیف ہوگی حالانکہ ابھی دالان کا وجود بھی نہیں ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ اگرچہ صورت والان کی محض اسکے خیال میں ہے
مگر چونکہ اسکے ذہن میں ایک شے قائم ہو چکی ہے اسوجہ سے اسکو عدم محض
نہیں کہہ سکتے اسی نظیر پر اعیان ثابتہ کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ
اعیان ثابتہ بھی جو کائنات عالم کی حقیقتیں اور ماہیتیں ہیں
وہ خداوند عالم کے علم میں ازل سے ثابت ہیں اگرچہ خود موجود نہ
مگر انکو عدم محض بھی نہیں کہہ سکتے اسلئے کہ ہر چیز جیسے کہ وہ اول سے آخر تک
ہونے والی تھی اور ان سب حالات و خصوصیات کے ساتھ حضرت علمیہ الہیہ میں
ثابت تھی ویسے ہی وہ وجود میں بھی ظاہر ہوئی یعنی اُن کے منشا و قابلیتیں
ظاہر ہوئیں پس اسی حقیقت کو ہر چیز کی عین ثابتہ کہتے ہیں جیسے مکان کی
شکل اسکے بنانے والے کے ذہن میں محفوظ ہے۔ اور ابھی وہ وجود خارجی میں
نہیں آئی۔ کیونکہ تعمیر کے بعد وجود خارجی میں جو چیز محسوس و مشاہد ہوتی ہے
وہ اینٹ پتھر لکڑی کا چونا ہے نہ کہ وہ ذہنی شکل جو اب بھی اسکے ذہن میں
قائم ہے جیسے بنائے جانے کے قبل تھی کیونکہ اس محسوس ہونے کی قابلیت ہی نہیں

پس اسیطرح اعیان ثابتہ ہمیشہ معدوم ہی رہیں گی کبھی وہ موجود فی الخارج نہیں ہو سکتیں اور جو موجود فی الخارج ہمیں مشاہد و محسوس ہو رہا ہے یہ آثار و استعدادات اعیان ثابتہ ہیں جو وجود میں ظاہر ہو رہے ہیں اب رہی یہ بات کہ مسئلہ وحدت الوجود پر اعیان ثابتہ کا کیا اثر پڑتا ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ جب اعیان ثابتہ کے آثار و استعدادات وجود کی چادر بسط میں ظہور کر رہے ہیں اور وجود مطلق بسبب اپنے اس فیضان و انبساط کے جو کائنات عالم پر فائض ہے ان کیساتھ منسوب و مقید ہو رہا ہے اور جسکی وجہ سے یہ اشیاء موجود کہلا رہے ہیں تو اب یہ موجودات مقیدہ بسبب اپنی اختلاف اعیان کے موجود مطلق (جو واحد ہے) نہیں کہلا سکتیں بلکہ وجود مطلق من حیث ھو ھو الگ ہے اور انکا وجود جو انکی اعیان کے آثار کے ظہور فی الوجود سے مراد ہے اور مقید کہلاتا ہے الگ ہے اگرچہ یہ وجود کوئی دوسرا وجود نہیں اسی وجود مطلق ہی کا فیضان ہے اور جسطرح لوح سادہ پر نقوش مختلفہ قائم ہوتے ہیں جس سے لوح منقوشہ کو لوح سادہ نہیں کہہ سکتے اسیطرح موجودات مقیدہ کو موجود مطلق نہیں کہہ سکتے۔ پس وجود ایک ہی ہوا مگر نقوش کائنات جو آثار و اعیان ثابتہ

ہیں یہ باعث کثرت واختلاف وتمایز ہیں تو اس صورت میں جو لوگ ہمہ اوست کہتے ہیں وہ اسی وجود کے لحاظ سے کہتے ہیں جو درحقیقت واحد ہے نہ کثیر اور اس لحاظ سے وحدۃ الوجود بھی صحیح ہے اور اعیان کے لحاظ سے یہ ساری کثرت بھی صحیح ہوئی یہی کثرت فی الوحدت ہے اور وحدت فی الکثرت جسکا بخوبی سمجھنا تدقیق کی نظر ہی سے ممکن ہے ورنہ باعث لغزش والحاد۔

غرضکہ وجود کو ایک ہی سمجھنا اور وحدۃ الوجود کو صحیح مسئلہ جاننا چاہئے۔ مگر اسکے ساتھ ساتھ موجودات عالم کو ایک نہ کہنا چاہئے۔ کیونکہ اختلاف اعیان اس کثرت کا ملزم ہے جسکا مقتضی کثرت و تمایز ہے۔ الحاصل اعیان ثابتہ کا بخوبی سمجھنا ہی دراصل عرفان کا اصل الاصول ہے اور اسی سے سب معمے حل ہو سکتے ہیں۔

س (۷۰) کیا مسئلہ وحدۃ الوجود کے لحاظ سے اعیان ثابتہ پر ہمہ اوست کا اطلاق ہوگا؟

ج (۷۰) اعیان ثابتہ اُن حقایق اشیاء کا نام ہے جو علم باری تعالیٰ میں ازل سے ثابت ہیں اور ہمیشہ رہیں گے وہ خود [illegible] وجود سے انکو کبھی کچھ حصہ ملا ہے نہ ملیگا اور اشیاء کو

جو موجودات کہا جاتا ہے وہ محض مجازاً اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اعیان ثابتہ
آثار و استعدادات وجود میں ظہور کر رہے ہیں اور وجود کی طرف انکی نسبت ہو گئی
جو انکے ظہور کا باعث ہے لہذا اعیان ثابتہ پر ہمہ اوست کا اطلاق درست نہیں
کیونکہ اعیان ثابتہ مظاہر اسماء و صفات ہیں جو باہم مختلف و متغایر ہیں ایک ایک اسم کا
اطلاق دوسرے پر صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک کا مقتضا مختلف ہے بخلاف وجود کے
جو انکے ظہور کا باعث و موجب ہے وہ بلا شک و شبہ ایک ہے مگر اسکے ایک
ہونے سے سب موجودات ایک نہیں ہو سکتے کیونکہ کائنات عالم کی ہر ایک شئے سے
مراد اسکی عین ثابتہ مع وجود کے ہے جس میں اسکے آثار ظاہر ہیں اور یہ مختلف
و متکثر ہیں جن کی کثرت بے پایاں ہے اس سے واضح ہو گیا کہ اعیان ثابتہ کے
لحاظ سے ممکنات عالم پر ہمہ اوست کا اطلاق صحیح نہیں۔ ہاں اعیان کے لحاظ سے
قطع نظر کر کے فقط وجود انکا ملحوظ ہو تو اسوقت ہمہ اوست کہنا صحیح ہے اس وجہ سے
کہ سب کا وجود ایک ہی ہے جو سب پر یکساں فائض ہے اور جس میں سب یکساں
طور پر ظاہر ہو رہے ہیں۔

الغرض مسئلہ وحدۃ الوجود ہی صحیح ہے جسکے معنے وجود کے ایک ہونے کے ہیں نہ مسئلہ وحدۃ الموجود جسکے معنی سب موجودات ایک ہونے کے ہیں کیونکہ سب موجودات بوجہ اختلاف اعیان ایک نہیں ہو سکتے اور یہ خیال سب موجودات کے ایک ہونے کا الحاد و زندقہ کی طرف منجر ہوتا ہے جو خلاف شریعت ہے کیونکہ اس کے ماننے سے سب شرائع باطل ہو جاتے ہیں اور عبد و رب کی تمیز مرتفع ہو جاتی ہے۔

س (۱۱) ما انت ھو بل انت ھو جو اکابر صوفیہ کا قول ہے اسکا کیا مطلب ہے؟

ج (۱۱) یہ دراصل دو جملے ہیں جن میں سے ہر ایک کی مبتدا و خبر ایک ہی ہے پہلے میں نفی کیگئی ہے دوسرے میں اثبات جس سے ایہام اجتماع نقیضین ہوتا ہے جو محال ہے مگر درحقیقت اجتماع نقیضین نہیں ہے کیونکہ دونوں کے مفہوم میں بلحاظ حیثیت و اعتبار کے فرق ہے اجتماع نقیضین میں کئی حیثیات کا اتحاد شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ چنانچہ پہلے جملہ میں عبد کے رب ہونے کی نفی کیگئی ہے یہ بھی درست ہے کیونکہ عبد کی حقیقت اسکی عین ثابتہ ہے جو

عدم ہے لہٰذا وہ رب نہیں ہو سکتا کیونکہ رب موجود ہے اور عبد کی حقیقت عدم ہے بخلاف دوسرے جملہ کے کہ اس میں عبد کے رب ہونیکا اثبات کیا گیا ہے اور یہ اسوجہ سے درست ہے کہ عبد کا وجود جس میں اسکی عین ثابت کے آثار ظاہر ہیں وہ عین وجود رب ہے نہ غیر کیونکہ وجود میں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ لیس فی الوجود الا اللّٰہ مسلمہ قول ہے۔ غرضکہ ہر شے میں اشیاء عالم سے دو حیثیتیں ہیں ایک اسکی عین ثابتہ کی جو عدم ہے اور باعث کثرت اور ایک وجود کی جو ایک ہے اور باعث اتحاد گویا اس جملہ کے یہ معنی ہوئے۔

ما انت بعینک ھو بل انت بوجودک ھو۔

س (۴۲) بندہ کس لحاظ سے مکلف ہے۔

ج (۴۲) بندہ اس لحاظ سے مکلف ہے کہ وہ عبد ہے اور اسکی اصلیت یعنی عین ثابتہ عدم ہے اور وہ ہر آن اپنی قیام کیلئے وجود کے فیضان کا محتاج ہے اور اسی احتیاج کے سبب سے وہ مکلف ہے۔

س (۴۳) فنا فی اللہ وبقا باللہ کا کیا مطلب ہے۔

ج (۴۳) جب عبد اپنے عبودیت کے مقامات سیر و سلوک طے کرتے ہوئے اس درجہ پر پہونچ جاتا ہے جہاں وہ اپنی خودی سے الگ ہوجاتا ہے یعنے اپنے مقتضیات نفس و خواہشات نفسانی کو خدا کے مقابل میں ترک کر دیتا ہے اور مردے کے کَالْمَیِّتِ فِی یَدِ الْغَاسِلْ خدا کے ہاتھ میں ہوجاتا ہے تو اسوقت اسکی ہر حرکت و سکون اسکی نہیں رہتی بلکہ خدا کی ہوجاتی ہے۔

اوشد زمیان ہمیں خدا ماند خدا الفقر اذا تم ھو اللہ این است

یعنے اسکی خودی جو درمیان عبد و رب کے حائل تھی اٹھ گئی تو اب فقط خدا ہی خدا رہا یہی معنی ہیں الفقر اذا تم ھو اللہ کے یعنے فقیری جب کامل ہوجاتی ہے تو بس خدا ہی خدا رہجاتا ہے یہی معنے ہیں فنا فی اللہ و بقا باللہ کے مختصراً۔

س (۴۴) توحید ذات و توحید صفات و توحید افعال کا کیا مطلب ہے۔

ج (۴۴)، توحید ذات یہ ہے کہ خدا کی ذات کی یکتائی و وحدت کے مشاہدہ میں اسقدر محو ہوجاوے کہ دوئی کا خیال سر سے مٹ جاوے اور غیریت عالم کی عارف کی نظر سے بالکل محو ہوجاوے حتےٰ کہ اسکے اسما و صفات کو بھی

غیر ذات نہ جانے یہی توحید ذات ہے۔ توحید صفات یہ ہے کہ دونوں جہاں کی ہستی کو اسکے اسماء وصفات کا ظہور مشاہدہ کرے یا صفات کی کثرت میں وحدت ذات کا مشاہدہ کرے یہی توحید صفات ہے اور بس۔

اور توحید افعال یہ ہے کہ ساری موجودات عالم کے ہر حرکت وسکون میں محض حقتعالیٰ کے ہی فاعل حقیقی ہونے کا مشاہدہ کرے اور بس۔

س (۵) تنزلات ستہ کی توضیح کیجئے۔

ج (۵) تنزلات ستہ وجود حق کے ان مدارج کا نام ہے جو اطلاق کے درجہ سے لیکر عالم انسانی کے درجہ تک پہونچے ہیں اور یہی تعینات ذات بھی کہلاتے ہیں اگرچہ تعینات ذات حق تعالیٰ کے لامحدود وغیر متناہی ہیں لیکن کلی طور پر کل چھ مدارج ہیں یعنی ذات واجب تعالیٰ باعتبار کنہ حقیقت اپنے بحکم قولہ تعالیٰ ولا یحیطون بہ علماً کسی کے احاطہ علم وادراک میں نہیں آسکتی۔ اور یہ درجہ ذات بحت کا باعتبار لاتعین اور ہویت مطلقہ کے ہے کیونکہ اس درجہ میں وہ سب قیود سے مطلق وآزاد ہے یہاں نہ اعتبار ماعدا کا ہے نہ عدم اعتبار ماعدا کا نہ اسپر کوئی حکم لگا سکتے ہیں نہ

کسی صفت سے موصوف کر سکتے ہیں اور نہ اسکی طرف کوئی نسبت صحیح ہو سکتی ہے اور نہ اضافت اسی درجہ لاتعین میں ذات بحت کو مجہول مطلق مانا گیا ہے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں — کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را
حافظ رح

اسی درجہ کو عرف میں حضرت غیب الغیب و لبطن کل باطن وہویت مطلقہ کہا جاتا ہے۔

چونکہ اس درجہ سے صوفی و عارف کو کوئی سروکار نہیں ہے لہذا عرفان اس سے متعلق نہیں ہے۔ اب اسکے بعد تعین کا درجہ ہے جسکے مراتب اگرچہ بے انتہا ہیں مگر بطور کلیہ کے چھ مدارج میں اسکو منحصر سمجھا گیا ہے اور انہی سے عرفان متعلق ہے جنکا سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) غیب اول و تعین اول یہ وحدت صرفہ کا درجہ ہے جو احدیت و واحدیت کی اصل ہے اور یہ اصل و منبع تمام قابلیتوں کا اور سرچشمہ تمام تعینات کا ہے اسی درجہ میں ذات بحت متمیز ہوتی ہے۔ باعتبار اصل و سرچشمہ کل قابلیات و تعینات کا ہونے کے اسکو عرفا مرتبہ جمیع و مرتبہ وجود یا احدیت جامعہ یا احدیت جمع یا

مقام جمع یا حقیقت جامعہ یا حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں۔

(۲) تعین ثانی وغیب ثانی جسکو عالم معانی بھی کہا جاتا ہے اسمیں تمیز ذات کا لعقات علمی ہوتا ہے اور یہ اعیان ثابتہ کا درجہ ہے یعنے جسمیں حقائق اکوان عالم بصورت اعیان ثابتہ علم باریتعالیٰ میں ثابت ہوئیں اسی لحاظ سے اسکو عالم معانی کہا جاتا ہے اور اسی مرتبہ میں اسماء الٰہی وحقایق کونی بایکدیگر متمیز ہوتے ہیں کیونکہ وہ اسماء مختلفہ کے مظاہر ہیں اور اسی درجہ کو عرفاً مختلف نام مختلف اعتبارات سے دئیے گئے ہیں مثلاً حضرت واحدیت۔ حضرت عمائہ۔ حضرت الوہیت۔ حضرت ارتسام حضرت علم ازلی۔ مرتبہ امکان۔ حضرت الاسماء وغیرہ۔

(۳) تیسرا تنزل مرتبہ ارواح کا ہے اسی کو عرفاً عالم غیب۔ عالم امر۔ عالم علوی عالم ملکوت وغیرہ کہتے ہیں یہ وہ عالم ہے جسکی طرف اشارۂ حسی کی بابت نہیں ہیں اسی میں تمام قسم کے فرشتے وجن وشیاطین داخل ہیں منجملہ ان کے ایک قسم وہ ہے جنکو ملائکہ کروبین کہتے ہیں انکی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جنکو عالم واہل عالم سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہیں اور نہ عالم کی انہیں خبر ہے انکو ملائکہ

ہمیئہ کہتے ہیں کیونکہ یہ جلال وجمال باریتعالیٰ میں سرتاپا غرق ہیں کسی سے کچھ واسطہ نہیں۔ دوسری گروہ وہ ہیں جو اگرچہ عالم اجسام وشہادت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے مگر یہ دربانان بارگاہ الوہیت ودواسطہائے فیض ربوبیت ہیں انہی کی صف اول میں انکا رئیس ایک فرشتہ ہے جسے روح اعظم کہتے ہیں اور اسی کو دوسری اصطلاح میں قلم اعلیٰ وعقل اول بھی کہا جاتا ہے انہی کے صف آخر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اور ایک قسم کو وہ ملائکہ ہیں جنکو عالم اجسام سے خاصۃً تعلق ہے۔ یہ روحانیات کہلاتے ہیں انکے بھی دو قسم ہیں ایک ملکوت اعلیٰ دوسری ملکوت اسفل اول الذکر کو تدبیر وتصرف سماویات عطا ہوا ہے آخر الذکر کو کائنات اسفل یعنے معاملات ارضی کا تصرف وتدبیر حاصل ہے۔ انہی میں سے جن وشیاطین ہیں جنکا رئیس ابلیس ہے قولہٖ تعالیٰ کان من الجنّ اسکی دلیل ہے

(۴)، عالم مثال یہ عالم واسطہ ہے۔ درمیان عالم علوی وعالم سفلی کے یعنے درمیان عالم ارواح وعالم اجسام کے اسی کو عالم برزخ۔ عالم خیال متصل ومنفصل کہتے ہیں متصل میں ادراک قوائے دماغی شرط ہے اور منفصل میں شرط نہیں

اسی منفصل میں ارواح کا جسد بنانا اور اجساد کا ارواح بنانا واقع ہوتا ہے جیسے جبرئیل کا بصورت حضرت دحیہ کلبیؓ کے وحی لانا اور اولیاء اللہ کا مختلف صورتوں میں دکھائی دینا نیز جن و شیاطین کے تصرفات ہوتے ہیں۔

(۵) عالم ملک و شہادت جسے عالم حسی و عالم اجسام بھی کہا جاتا ہے اسکی دو قسم ہیں ایک علویات جسمیں عرش و کرسی وغیرہا داخل ہیں۔ دوسرے سفلیات جسمیں عنصریات و آثار علویات جیسے برق و رعد وغیرہ داخل ہیں و مرکبات جیسے معادن و نباتات و حیوانات و بدن انسانی وغیرہ ہیں۔

(۶) مرتبہ انسان کامل جو جامع ہے جمیع عالمہائے مذکورۃ السابق کو لہذا یہ اشرف موجودات و سزاوار خلافت رحمانی و لائق تحمل بار امانت یزدانی ہے۔

س (۷۶) عروج و تنزل کا کیا مطلب ہے؟

ج (۷۶) وجود کے مدارج نزول کا آخر درجہ انسان کامل ہے اور اسکے عروج کا بلند درجہ غیب الغیب و حقیقۃ الحقائق ہے اسکی تفصیل اوپر ہو چکی ہے۔

س (۷۷) حدیث صحیح میں جو مروی ہے کہ خَلَقَ اللہ آدم عَلےٰ صُورتِہٖ
یعنے آدم کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا اسکا کیا مطلب ہے؟
ج (۷۷) انسان کامل جامع جمیع حقائق عالم ہے جیساکہ خدا کی ذات حقیقۃ الحقائق
اور جامع جمیع حقائق ہے نیز یہ کہ حقائق عالم جمیع صفات و اسماء الہیہ کے مظاہر
ہیں تو معلوم ہوا کہ تمام عالم جسطرح ایک بڑا ڈھانچہ مختلف اسماء و صفات کے
مظاہر کا ہے اسیطرح اسکا ایک مختصر ڈھانچہ انسان کامل ہے اسیواسطے
اسکو عالم صغیر اور عالم کو انسان کبیر کہا جاتا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ جملہ اسماء
وصفات مظاہر ذات ہیں اور عالم میں سوائے ذات باری کے درحقیقت
اور کوئی موجود نہیں ہے اس لحاظ سے انسان کامل کا صورت حق پر ہونا صاف
واضح ہے اور یہی راز ہے اسبات کا کہ کائنات عالم میں سے بجز انسان
کامل کے خلافت رحمانی کی اور کوئی قابلیت و اہلیت نہیں رکھتا اور یہی
وہ امانت ہے جسکا بارگراں اٹھانے سے بجز انسان کے اور سب کائنات
عالم نے انکار کر دیا اور ڈر گئے یا عاجز ہو گئے۔

س (۷۸) کیا حقیقت باری تعالیٰ کا کسی کو علم ہو سکتا ہے اگر نہیں تو کس لحاظ سے

ج (۷۸) وجود باری تعالیٰ کے مختلف اعتبار و مدارج ہیں جیسا کہ سوال نمبر ۴۷ میں گزر چکے ہیں ۔ منجملہ ایک اعتبار ذات بحت اور کنہ حقیقت ذات یا مرتبہ غیب الغیب اور ہویت مطلقہ کا ہے اس درجہ میں چونکہ اسکا تعلق نہیں ہے جس سے اسکی وصف کیجائے یا کوئی نسبت اسکی طرف لگائی جاوے لہذا علم انسان اس درجہ سے متعلق ہو ہی نہیں سکتا ۔ بنا بران ذات باری تعالیٰ باعتبار ہویت مطلقہ کے بالکل مجہول مطلق ہے قولہ تعالیٰ وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔

س (۷۹) مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ جو مروی ہے اس کی کیا تحقیق ہے ۔

ج (۷۹) انسان عالم صغیر ہے یعنی عالم کا مختصر ڈھانچہ اور عالم انسان کبیر ہے یعنی عالم انسان کی تفصیلی صورت ہے نیز یہ کہ عالم مظاہر اسماء و صفات کا نام ہے اور عرفان انسان کی دوڑ انہی اسماء و صفات کے درجہ تک ہے جو تعین اول ہے ورنہ ذات

بہت باقین تو مجہول مطلق ہے نتیجہ یہ ہے کہ جب سالک اپنے آپ کو تفصیلاً و اجمالاً
سمجھا وہ ضرور اسماء الٰہیہ کے ظہور کا مشاہدہ کریگا اور سمجھیگا یہی معرفت رب ہے۔

س (۹۰) سیر الی اللہ۔ سیر فی اللہ۔ سیر مع اللہ۔ ان تینوں کی کیا حقیقت ہے

ج (۹۰) جب سالک ذکر قلبی کے ذریعہ خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور
مقامات سلوک طے کرتا ہے تو اس کو دو سیر ان پیش آتے ہیں

سیر اول جو سیر الی اللہ ہے یہ ہے کہ حجاب ہائے کثرت روح وحدت سے اٹھ جاویں
اور مظاہر و اغیار سے نگاہ بند ہو جاوے۔

اور سیر فی اللہ جو سفر ثانی ہے یہ ہے کہ پردہ وحدت کثرت کے دخول سے اٹھ جاوے
اور عبد حق کے صفات و اخلاق سے متخلق و متصف ہو جاوے اور یہ انتہا حضرت
واحدیت کی ہے۔

سیر مع اللہ یا باللہ جو اندراج حق فی الخلق یا ضمائل ثانی فی الحق کا مشاہدہ ہے
یعنی عین وحدت کو صورت کثرت میں اور صورت کثرت کو عین وحدت میں مشاہدہ کرے
اور یہ مقام احدیت جمع و فرق کا ہے اور یہی مقام بقا بعد الفنا کا ہے۔

س (۸۱) مصرعہ ۔ اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ جو اکابر صوفیہ سے منقول ہے
اس کا کیا مطلب ہے۔

ج (۸۱) چونکہ ذات حق حقیقۃ الحقائق و ہویت مطلقہ کے درجہ میں حسب ارشاد
وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا مجہول مطلق ہے جسکے ادراک سے سارے مدارک انسانی قاصر
ہیں اس لحاظ سے کمال عرفان جو ادراک انسانی کا کمال ادراک ہے یہی ہونا چاہیے
کہ اپنے کو اس ادراک سے عاجز سمجھے کیونکہ یہ اقرار عجز ادراک کنہ ذات سے اس بات کا
پتہ دیتا ہے کہ اس نے ذات خداوندی کی نسبت ٹھیک ٹھیک عرفان حاصل کیا ہے اور
اگر وہ ادراک کا اظہار کرے تو یہی سمجھا جائیگا کہ اس نے ٹھیک ٹھیک مطلب کو نہیں سمجھا
اگر سمجھتا تو ادراک کے ادراک سے عاجز ہونے کا اقرار کرتا چنانچہ اسی واسطے سراج
عارفین اولین و آخرین کا یہ ارشاد منقول ہے مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ وغیرہ اَنْتَ كَمَا
اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ ۔

س (۸۲) سکر و صحو کونسی حالتیں ۔

ج (۸۲) سکر ایک حالت کا نام ہے کہ صوفی کے قلب پر خدا کا وارد قوی آجانے سے

وہ حیات کے احساس سے معطل ہو جاوے اور اوسکو اس میں ایک قسم کا طرب التذاذ حاصل ہو اور صحو اس حالت کا نام ہے کہ اس سکر کی غیبت کے بعد صوفی احساس کی طرف رجوع کرے۔

س (۸۳) العلم حجاب اکبر کا کیا مطلب ہے۔

ج (۸۳) بعض جاہل بے سمجھ لوگ جو اپنے کو صوفی جانتے ہیں یعنے متشبہین بالصوفیہ ہیں علم سے یہاں علم ظاہری یعنے علم شریعت مراد لیتے ہیں حالانکہ یہ ایک غلطی ہے صوفی کے لئے علم ظاہری (شریعت) ضروری ہے۔ بلکہ یہاں علم سے مراد صوفی و سالک کا اپنی خودی کا علم و شعور حاصل کرنا مراد ہے اور اس کے حجاب اکبر ہونیکے یہ معنے ہیں کہ جبتک صوفی اپنے خودی کے شعور یعنی علم سے بے شعور و بے حس نہو جاوے تب تک اسپر اسرار الٰہیہ اور اس بارگاہ عزت کے راز نہیں کھلتے اور یہ شعور و علم اپنی خودی کا اوسکو ان اسرار بارگاہ صمدیت کیلئے بمنزلہ حجاب و پردہ کے ہو جاتا ہے۔

س (۸۴) آیہ کریمہ انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض والجبال فابین ان

یَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا یعنے ہم نے پیش کیا امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر تو وہ اسکے برداشت کرنے سے انکار کر گئے اور ڈر گئے اور انسان اسکو برداشت کر لیا۔ بیشک وہ بڑا ہی بیجا کار اور نادان ہے اس میں امانت مذکورہ سے کیا مراد ہے۔

ج (۸۴) امانت سے خلافت رحمانی یا خدا کی نیابت اور عرفان کامل مراد ہے جو آیتہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں مذکور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام کائنات عالم اسماء و صفات الٰہیہ کے مظاہر مختلفہ ہیں اور فقط انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو تمام کائنات عالم کے حقائق کو جو حقائق اسماء ہیں جامع ہے اور اسی جامعیت کے باعث وہ قائم مقام خلیفہ خداوند تعالیٰ کا ہے اور یہ بات کسی چیز میں خواہ وہ آسمان ہو یا زمین نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ یہ قابلیت بجز انسان کے کسی میں فطرۃً ودیعت ہی نہیں ہوئی اور اسی فطرتی نا قابلیت کو انکا کرنے اور ڈرنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور چونکہ انسان میں فطرۃً یہ مادہ موجود ہے مگر باوجود اسکے بھی وہ پوری پابندی نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات حیوانات سے بھی

بدتر ثابت ہوتا ہے اسی لئے اسے ظلوم وجہول فرمایا گیا ہے۔

س (۸۵) فیض اقدس و فیض مقدس سے کیا مراد ہے۔

ج (۸۵) فیض اقدس اس تجلی ذات علی الذات کا نام ہے جس سے عالم کے حقائق یعنے اعیان ثابتہ حضرت علمیہ باریتعالیٰ میں ثابت اور بایکدیگر متمیز ہوئے اور یہ ذات بحت و ہویت مطلقہ اور وجود مطلق کا پہلا تعین ہے۔

فیض مقدس اس تجلی کا نام ہے جس سے وجود کا فیضان عالم کے اعیان ثابتہ پر ہوا اور ان کے آثار و استعدادات اس وجود میں ظاہر ہوئے جسکو عرف میں ان کا موجود ہونا کہا جاتا ہے مثلاً مختلف تخموں میں مختلف رنگ و ثمر و پھول و پتوں والے پیڑوں کی قابلیتیں اور استعدادات دی گئی ہیں یہ گویا فیض مقدس ہے اور جو ازل میں ہو چکا ہے اور ان کا مقررہ صورت و شکل و رنگ میں ہمیشہ ظاہر ہوتے رہنا فیض اقدس ہے۔

غرضکہ فیض اقدس سے اشیاء کے اعیان ثابتہ مع ان کے استعدادات و قابلیت کا حضرت علمیہ باریتعالیٰ میں موجود ہونا مراد ہے اور فیض مقدس سے انکی

استعدادات و قابلیات کا ظہور فی نحاء وجود ہے۔

س (۹۶) خلافت آدم سے کیا مراد ہے۔

ج (۹۶) خلافت دو قسم کی ہے ایک طبعی دوسرے کسبی۔

طبعی یہ ہے کہ خدا نے انسان کو فطرۃً اپنی صورت پر پیدا کیا ہے یعنے ذات باریتعالیٰ کو جو حضرت احدیت جمع میں تمام قابلیتوں کی جامعیت حاصل ہے اسی کی مانند ذات انسان کو فطرۃً جامعیت تمام قابلیتوں کی عطا ہوئی ہے۔

اور کسبی یہ ہے کہ جسطرح خدائے تعالیٰ تمام اسماء و صفات سے متصف ہے اگر انسان بھی کسب سے یعنے عرفان کے ذریعہ متحقق باسماء اللہ اور متخلق باخلاق اللہ ہوجائے تو گویا اس نے اپنی خلافت کو حاصل کر لیا اور سچ مچ خدا کا نائب اور خلیفہ اس عالم میں اپنے آپ کو ثابت کیا ایسا ہی انسان انسان کامل عارف باللہ کہلا سکتا ہے۔

س (۹۷) آیہ کریمہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ یعنے میں نے محض اپنی عبادت کیلئے جن و انسان کو پیدا کیا۔ اس عبادت کے کیا معنے ہیں؟

ج (۱۰۷) اس میں اختلاف ہوا ہے کہ عبادت سے کیا چیز مراد ہے بعضوں نے عبادت سے محض معرفت مراد لی ہے اور بعض عبادت ظاہری مراد لیتے ہیں مگر بصورت اول تاویل کرنی پڑتی ہے اور باعتبار الفاظ سے الٹ پھیر کی ضرورت ہوتی ہے جو طریقہ سلف کے خلاف ہے اور بصورت ثانی اگر عبادت سے مراد عرفی عبادت ظاہری لیجائے یعنے یہ کہ فقط رات دن عبادت کرنے کے لئے انسان بنایا گیا ہے تو فطرت انسانی اور شریعت اسلام کے خلاف پڑتا ہے جو مقتضی تمدن اور معاشرت باخلق ہے کیونکہ اس میں اتلاف حقوق العباد متصور ہے۔ چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے جانشینوں سے بھی یہ ثابت نہیں کہ سب دنیاوی تعلقات کو ترک کر کے عبادت کے لئے گوشہ نشین و عزلت پسند ہو گئے ہوں بلکہ اس کے برعکس انکا دینوی تعلقات و امور دنیوی میں تا بحد اعتدال مصروف ہونا ثابت ہے اور یہ ناممکن ہے کہ حضور اور آپ کے صادق متبعین خدا کے حکم کے خلاف عمل پیرا رہے ہوں اس لحاظ سے اسکے یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ عبادت اُس تعلق مع اللہ کا نام ہے جو حقیقی طور پر بندگی کا مصداق ہو اور یہ وہ تعلق ہے

جو کسی بندہ یا غلام کو اپنے آقا سے دلی محبت سے ہوتا ہے اور یہ اپنے مالک کی ہر بات پر
سر تسلیم خم کرنے اور اطاعت کرنے کا نام ہے اور چونکہ حدیث اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ کے
لحاظ سے ہر عمل کی خوبی اور بدی کا دارومدار محض نیت پر ہے نہ ظاہر پر جیسے عمل کرنے
۔ بقصد جیسی نیت ہو ویسا ہی وہ عمل محسوب ہوتا ہے اور چونکہ صوفیا کرام کی نیت انکی
زندگی کے تمام اعمال سے حسب الحکم قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
خدا کی اطاعت و رضا جوئی ہوتی ہے جس سے کبھی وہ غافل نہیں ہوتے۔ لہذا انکے
سارے اعمال زندگی خواہ وہ امور تعلقات دنیوی سے کیوں نہ ہوں بالکل خالصاً
مخلصاً للہ ہوتے ہیں اور اسی واسطے یہ سب اعمال زندگی انکے حسب نیت خالصہ
انکے عبادت میں داخل اور محسوب عند اللہ ہوتے ہیں اور دراصل اسی تصحیح حال
مع اللہ کا نام تصوف اور دین اسلام کا درجہ احسان۔ اور یہی فرقہ ناجیہ کے
برگزیدہ ہونے کا راز ہے اور اسی کے کمال سے انکی برتری ثابت ہوتی ہے
اور اسی تعلق مع اللہ اور بندگی کے اثبات کے لئے ساری شرائع اور نماز روزہ
وغیرہ فرض ہوئے ہیں۔ جنکی پابندی ہر آدمی کو ہر حال میں لازم ہے۔

س (۸۸) حدیث قدسی کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ لِی یہ توضیح ہے۔

ج (۸۸) ذات باری تعالیٰ باعتبار اسکے درجہ احدیت جامعہ کے سب قابلیتوں اور کمالات کا منبع اور مخزن تھی جب اپنی قابلیتوں اور کمالات کے اظہار کا قصد ہوا جو اسماء وصفات الٰہیہ میں مضمر تھے تو خلق کو پیدا کیا جو ان اسماء الٰہیہ کے مظاہر ہیں گویا یہ شاہد معنوی کے خوبیوں اور محاسن جمال کے لئے بمنزلہ آئینہ کے ثابت ہوئی اور پھر انسان کو ایسا ایک آئینہ بنایا گیا جو ان سارے آئینوں کا عکس اس میں جملہ موجود ہو اور آئینہ ایسی چیز ہوتی ہے جس کے ذریعہ اپنی خوبیوں اور محاسن جمال کو آپ پا سکتے ہیں۔

الغرض خلق کی پیدائش سے حضرت باری کو اپنی معرفت مقصود تھی چنانچہ قرآن پاک میں کئی جگہ یہ مضمون وارد ہے کہ ہم خدا ہی کے لئے ہیں اس سے یہی راز متصور ہے جیسے قولہ تعالیٰ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ یعنے ہم خدا ہی کے لئے ہیں اور اسی کیطرف لوٹنے والے ہیں نیز قولہ تعالیٰ۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

یعنے کہدو اے نبی کہ میری نماز وعبادت اور میرا جینا مرنا خاص خدائے رب العلمین ہی کیلئے ہے جسکا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

س (۸۹) قولہ تعالیٰ اللہ نور السماوات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ یکاد زیتہا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء الآیۃ اسکی کیا توضیح ہے؟

ج (۹۰) اس آیۃ میں خدا تعالیٰ نے عالم کے اس تعلق کو جو ذات خداوندی سے ہے بطور تمثیل کے بتایا ہے۔

چنانچہ اس کے لئے اس نے ایک ایسے چراغ کی تمثیل دی ہے جو کانچ کی قندیل یا حباب میں ہو اور وہ مکان کے کسی تابدان یا طاق میں رکھا ہو جس میں کوئی...

میں روشنی ہے جس سے فتیلہ چراغ روشن ہے تیل ہے اور آگ ہے جو تیل کا فیضان قبول کرکے متواتر روشن رہتی ہے اور فتیلہ کو روشن رکھتی ہے جو تھا فتیلہ ہے جو تیل کا فیضان حاصل کرکے روشن رہتا ہے اور جو آگ اور تیل کے درمیان واسطہ ہے پانچواں کانچ کا حباب یا قندیل ہے اگرچہ جسمانیات سے ہے مگر لطیف ہے اس وجہ خود اس فتیلہ کی روشنی کو قبول کرکے دوسری اشیاء کو روشن کر رہا ہے چھٹا وہ ابدان یا طاق ہے جو اس قندیل یا حباب سے روشنی لیکر روشن معلوم ہو رہا ہے۔ یہی مثال عالم اور حق تعالیٰ کی ہے۔ ذات باری تعالیٰ وہ وجود مطلق ہے جس کے فیضان سے عالم کی ہر چیز کا ظہور ہو رہا ہے اگر یہ فیضان ایک آن کیلئے بھی بند ہو جاوے تو پھر سب عالم عدم ہی عدم ہو جاوے جیسے تیل کا فیضان فتیلہ کو ہوتا ہے کہ اگر ایک آن ہی ختم ہو جاوے تو پھر سارا گھر تاریک ہی تاریک ہو جاوے اب اس وجود مطلق کا فیضان پہلے پہل عقل اول پہ جسے قلم اعلیٰ و حقیقت محمدیہ کہتے ہیں ہوتا ہے اسی واسطے وارد ہے کہ اول ما خلق اللہ العقل۔ پھر یہ بھی کہ اول ما خلق اللہ نوری نیز یہ بھی کہ انا من نور اللہ و کل شئی من نوری یہ بمنزلہ آگ کے ہوا کیونکہ پہلے پہل تیل جو جلوہ گر ہوتا ہے تو آگ ہی کی صورت میں ہوتا ہے

گرخالی تیل اور آگ ہو تو روشنی متصور نہیں ہوتی بلکہ ایک کثیف شے یعنے فتیلہ کی ضرورت ہے جس میں آگ اثر کرے اور وہ اس سے متاثر ہوکر چراغ کی صورت بنا اس فتیلہ کی مثال نفس کلیہ کی ہے جسے عرف شرع میں لوح محفوظ کہا جاتا ہے اور قلم کا اثر یعنے عقل اول کا اثر قبول کرتی ہے اور سب چیزوں کے ظاہر اور روشن ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ یہ قلم و لوح سب عالم ارواح سے ہیں جسکے بعد عالم مثال یعنے عالم برزخ کا درجہ ہے جو عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان واسطہ ہے۔

ایسا ہی فتیلہ اور آگ ملکر چراغ بنے جسکے بعد چمنی یا حباب و قندیل کا درجہ ہے اب اس چمنی کی حالت بالکل عالم مثال جیسی ہے اسلئے کہ عالم مثال و برزخ جیسے واسطہ ہے درمیان عالم ارواح نورانی اور عالم اجسام ظلمانی کے ایسے ہی یہ چمنی لطیف بھی ہے کہ ہر رنگ چراغ کے بجاتی ہے اور کثیف بھی ہے کیونکہ مادۂ زمینی کی شے ہے اسطرح وہ واسطہ بنتی ہے درمیان نور اور تاریکی کے اور خود روشن ہوکر دوسرے تاریک اشیاء کے روشنی اور ظہور کا باعث ہوتی ہے جیسے کہ عالم مثال عالم ارواح سے معانی و حقائق اشیاء کو لیکر پھر عالم اجسام میں ان کے ظہور کا باعث ہوجاتا ہے۔ اب

اس کے بعد درجہ عالم اجسام کا ہے جسکے ظہور کا باعث عالم مثال و برزخ ہے جسکی مثال
اس طاق یا نابدان کی ہے جو بالکل مظلم و کثیف شے ہے مگر جبتک چراغ کے نور سے
منور ہو کر اسکے ظاہر اور روشن ہونے کا باعث ہو رہی ہے۔ اس مثال سے ظاہر
ہوسکتا ہے کہ کسطرح ایک ہی نور چراغ کا ایسا ہے جو حسب قابلیت و استعداد ہر شے کے
روشن و ظاہر ہونے کا باعث بن رہا ہے ورنہ سب تاریک ہی تاریک ہے ایسا ہی
وجود باریتعالیٰ بھی وجود مطلق ہے جو ساری موجودات کے ظہور کا باعث ہو رہا ہے ورنہ
سب عدم ہی عدم ہیں علیٰ ہذا جسطرح روشنی چراغ سب اشیاء کے ظہور کا باعث اور سب کو
محیط ہے مگر باوجود اسکے جو اشیاء کے دیکھنے والے کی آنکھوں میں خود اوجھل اور مخفی
ہوتی ہے جیسے آئینہ میں صورت دیکھتے وقت صورت ظاہر اور آئینہ مخفی ہو جاتا ہے
اسیطرح وجود باری کی مثال ہے کہ وہ روشنی کی چادر کیطرح تمام عالم کے موجودات کے
ظہور کا باعث ہے اور سب کو محیط ہے مگر خود آنکھوں سے اوجھل اور مخفی ہے حالانکہ
وہ کسی سے الگ نہیں ہے بلکہ سب کو محیط اور سب کے ساتھ موجود اور اظہر ہے
ف اس آیۃ میں خدائے تعالیٰ نے اپنے وجود کو تمثیلاً بیاں فرمایا ہے اس سے یہ لازم

نہیں کہ مشبہ بہ کے تمام لوازمات مشبہ میں پائے جاویں جیسے بہادر کو شیر کہنے سے پنجے ہونا اُسے لازم نہیں آتا۔

۲ عرب میں زیتون کا تیل زیادہ مستعمل تھا اور نیز اس میں بہت ساری برکتیں اور عجیب وغریب خواص ہیں اور وہ بڑی برکت کی چیز ہے لہذا اس سے تمثیل دیگئی اور اُسے شجرہ مبارکہ فرمایا گیا ہے۔

۳ اس جہاڑ کا غربی وشرقی نہونا اسوجہ سے ہے کہ وہ شام میں زیادہ اگتا ہے جو کرہ زمین کا وسطی حصہ ہے نہ غربی اور نہ شرقی۔

۴ نور علے نور ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نور چراغ اگرچہ ایک نور ہے مگر قندیل میں اسکا عکس پڑکر قندیل وحباب بھی ایک نورانی شے بنجاتے ہیں پھر یہ نور طاق ودیوار کو منور کرتا ہے اور وہ بھی نورانی بنجاتے ہیں۔ لہذا اصل چراغ کا نور ان نوروں سے ملکر نور علے نور بنجاتا ہے۔ ہرچند نور ہے ایک ہی مگر ان سب اشیاء کے نوروں میں فرق ضرور ہے۔ ایسا ہی وجود باریتعالیٰ اگرچہ وہی ایک وجود حق ہے باقی اور سب باطل اور عدم مگر اسکے فیضان سے جو کائنات عالم کو وجودات خاصہ وظہورات مخصوصہ حاصل ہوئے ہیں

وہ اپنی اپنی حیثیتوں کے لحاظ سے باہم فرق رکھتے اور بایکدیگر ممتاز ہیں لہذا ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں۔ شعر

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد - گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

س (۹۰) اَنَا مِنْ نُورِ اللّٰہِ وَکُلُّ شَیْءٍ مِنْ نُورِیْ۔ اس حدیث کی کیا توضیح ہے۔

ج (۹۰) حقیقت محمدیہ جسے عرف شرع میں قلم اعلیٰ اور اصطلاح حکما میں عقل اول کہتے ہیں وہی مصدر کائنات ہے اور وہ بمنزلہ آگ کے ہے جس کے ذریعہ تیل کا فیضان لعبو چراغ جلوہ گر ہو کر سب کو منور کر رہا ہے اور ظہور میں لا رہا ہے۔

س (۹۱) حدیث مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَق۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

ج (۹۱) انسان کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا اور جامع جمیع حقایق اسماء و صفات الٰہیہ بنایا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جو انسان کامل تھے اس لحاظ سے جس نے حضور کو دیکھ لیا اس نے گویا درحقیقت خدا کو دیکھ لیا۔

س (۹۲) فنا فی الشیخ۔ فنا فی الرسول۔ فنا فی اللہ یہ تینوں مدارج جو بیان کیے جاتے ہیں انکا کیا مطلب ہے۔

ج (۹۲) فنا فی الشیخ یہ کہ مرید اپنے مرشد کی اتباع میں منہمک ہو جاوے اور چونکہ مرشد کامل کا
درجہ حسب مقولہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ ہے اور مرشد کامل حضور کا سچا
نائب اور جانشین کہلا سکتا ہے تو اس لحاظ سے مرید فنا فی الشیخ کی منزل سے فنا فی الرسول
کے درجہ میں پہونچ جاتا ہے۔ الغرض شیخ کامل کی اتباع کا نام فنا فی الشیخ ہے اسکے بعد
رسول ؐ کی پوری پوری اتباع خودی نفس کو مٹا کر واصل بخدا کر دیتی ہے۔ حسب الارشاد
نبوی لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ یعنے مومن کا اطلاق
اسوقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جبتک کہ آدمی کی خواہشات حضور اکرم ؐ کے ارشادات کے
تابع و مطابق نہوں اور آنحضرت ؐ کی اتباع نفس کی خودی کو مٹا دیتی ہے اور وہ خواہشات
نفسانی کو رد کرتی ہے اور جب خودی مٹ گئی پھر تو خدا ہی خدا کا ظہور ہے اور فنا فی الرسول
کے بعد گویا فنا فی اللہ کا درجہ ہے جسکو معراج کمال و وصال کے تین مدارج
و زینے ہیں جن سے بقا باللہ حاصل ہوتی ہے اور انسان خلافت کے منصب کو حاصل
کر لیتا ہے۔

س (۹۳) حقیقت محمدیہ سے کیا مراد ہے؟

ج (۹۳) اصطلاح حکماء و فلاسفہ میں عقل اول اور بزبان شرع قلم اعلیٰ ہے جو باعث ظہور خلق و مصدر کائنات ہے۔

س (۹۴) ولی کی کیا تعریف ہے اور قولہ اِنْ اَوْلِیَاؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ الآیہ کے کیا معنے ہیں؟

ج (۹۴) ولی کا لفظ ولایت سے ماخوذ ہے جس کے معنی عربی لغت میں قرب دوستی کے ہیں اس لحاظ سے ولی کے معنی خدا کے مقرب اور دوست کے ہوئے اور دوستوں مقربوں کی تعریف خود خدائے عزوجل نے اس آیہ شریف میں فرمائی ہے۔ ان اولیاؤہ الا المتقون۔ رہی یہ بات کہ تقویٰ کے معنے کیا ہیں اسکی تفصیل یہ ہے کہ تقویٰ کے معنے لغت میں ڈرنے اور بچاؤ کرنے کے ہیں چنانچہ حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

التقویٰ ھٰھنا واشار الی القلب۔ یعنے تقویٰ یہاں ہوتا ہے اور اپنے دل کیطرف اشارہ فرمایا۔

اب ظاہر ہے کہ جو تقویٰ دل میں ہوتا ہے وہ فقط خدا کا ڈر ہے اور اسکے عذاب

دمنزا سے بچاؤ کا نام تقویٰ ہے کیونکہ جو مومن کامل ہوگا اور خدا پر یقین کامل رکھیگا وہ ہمیشہ اس کے خلاف مرضی عمل کرنے سے ڈریگا بلکہ اس کے مرضی کے موافق عمل کریگا اور وہ دل سے اس بات کا یقین رکھیگا کہ خدا تعالیٰ اسکے ہر حالت کا جاننے والا ہے اور ہر وقت حاضر و ناظر ہے ایسی حالت میں ایسا شخص اس سے ہر وقت ڈرتا رہیگا اور اسکے خلاف مرضی کسی فعل اور کسی حرکت و سکون کا مرتکب نہ ہوگا اگر کبھی اتفاقاً بتقاضائے بشریت سہو و نسیان سے کوئی خلاف ورزی سرزد بھی ہو جائے تو فوراً متنبہ ہو کر اسکی تلافی بذریعہ توبہ و استغفار کر لیگا ارشاد خداوندی ہے کہ

وَاِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا یعنے جب انہیں شیطان کے وسوسہ کا احساس ہو جاتا ہے

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ... تو فوراً ہوشیار ہو جاتے اور سمجھ جاتے ہیں

غرضکہ اولیاء کاملین چونکہ مقرب بارگاہ ایزدی ہوتے ہیں انکی حالت بالکل ان مقربین بادشاہ کی سی ہوتی ہے جنکو بادشاہ کے انداز و ادا سے اوسکی ناراضی کا پتہ لگجایا کرتا ہے نیز انکو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ بادشاہ کی خفگی سے ان پر کیا کیا آفتیں نازل ہو سکتی ہیں اسوجہ سے وہ ہر وقت بادشاہ کے مزاج دان رہتے ہیں اور اسکی خفگی و ناراضی

خائف و ترساں رہکر ان اسباب خلگی سے ہمیشہ بچتے رہتے ہیں یہی حالت مقربین بارگاہ ایزدی کی ہے چونکہ وہ اسکو ہر وقت و ہر آن حاضر و ناظر جانتے ہیں۔ لہذا ہر وقت اپنے کو ایسے افعال کے ارتکاب سے خواہ وہ خفیف سے خفیف ہی کیوں نہ ہوں بچاتے رہتے ہیں۔ حسنات الابرار سیئات المقربین کا یہی مطلب ہے اور یہی خوف و خذر عرف میں تقوی کہلاتا ہے اور جسقدر ایمان کامل ہوتا جاویگا اسیقدر خدا سے تقرب بڑھتا جاویگا یعنے اوسکے مشاہدہ و حاضر و ناظر جاننے میں ترقی ہوتی جاویگی اور جسقدر یہ تقرب بڑھتا جاویگا اسیقدر خوف و خذر خدا سے جس کا نام تقوی ہے بڑھتا جاویگا اور جسقدر یہ خوف و خذر ترقی کرے اسیقدر قرب بڑھتا جاویگا کیونکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

الغرض اصلی تقوی جسپر ولایت کا دارومدار ہے وہ اسی خوف قلبی کا نام ہے نہ ظاہری پرہیزگاری کا جسکو عوام تقوی و پرہیزگاری سمجھتے ہیں یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلوں کی تمثیل ایک بیل اور اونٹ سے دی ہے جو یہ نہیں جانتے کہ انکا مالک انکو کیوں چھوڑتا ہے اور کیوں باندھتا ہے ایسا ہی غافل لوگ بھی یہ نہیں جانتے کہ ان پر بعض بعض آفتیں و مصیبتیں کیوں نازل ہوتی ہیں اور کیوں

انہیں زندگی کے مختلف اوقات میں تکالیف و اذیتوں کا سامنا ہوتا ہے بخلاف اولیاء اللہ و مقربین کے کہ ہر وقت خائف و ترساں رہتے ہیں اور وہ ذرا ذرا سی بات میں خدا کی مرضی اور ناراضی کو تاڑ جاتے ہیں اور فوراً اسکا تدارک کر لیتے ہیں۔

س (۹۵) وجہ اللہ سے کیا مراد ہے جو قولہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه میں مذکور ہے

ج (۹۵) وجہ اللہ سے مراد وہ وجودِ حق ہے جسکا فیضان عالم کی ہر ایک شئے پر یکساں طور پر پھیلا ہوا ہے جو بطورِ نورِ آفتاب کے ہے جو سب اشیاء پر یکساں فیضان رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه کا یہ مطلب ہے کہ جدھر تم رخ کرو ادھر خدا کا وجود موجود ہے علیٰ ہذا قولہ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ میں بھی یہی وجودِ حق مراد ہے اور کائنات عالم کے فنا ہونے کے یہی معنے ہیں کہ انکی شکل و شمائل و ہیئات کذائیہ جو استعدادات و قابلیات و آثار اعیان ثابتہ عالم میں انکی ہوتی ہیں بخلاف وجود حق کے جس میں یہ ساری باتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ اسے نہ زوال ہے نہ فنا وہ حی القیوم بدستور موجود ہے اور الآن کما کان کا مصداق ہے۔ اسکی مثال یوں بھی ہو سکتی ہے کہ ایک دریا ہے مگر اسکی سینکڑوں موجیں اٹھتی اور زوال ہو جاتی ہیں

نفس دریا میں اس سے کسی قسم کا فرق نہیں آتا وہ بدستور قائم رہتا ہے۔

س (۹۶) کیا علم غیب خدا کے سوا کسی کو ہو سکتا ہے۔

ج (۹۶) غیب کا اطلاق دو امور پر ہوتا ہے ایک غیب ہویت مطلقہ دوسرے وہ اشیا جو انسان کی آنکھوں سے چھپی ہوتی ہیں یعنے جو عالم حس و شہادت سے بالاتر ہیں۔

شق اول کا علم تو بجز ذات باری کے کسیکو ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ درجہ لاتعین میں ہے کما مر سابقاً ہاں البتہ دوسری شق کا علم اون صوفیہ کرام کو ضرور ہوتا ہے جنکی ارواح طیبہ کدورات ظلمانی و نفسانی سے پاک و صاف ہو جاتی ہیں اور عالم بالا جو ان کا وطن اصلی ہے خاصہ تعلق پیدا کر لیتی ہیں اس صورت میں ان امور غیبیہ کا ایسا علم ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ہر شے اپنی اصل کے طرف رجوع کرتی ہے اور اس کے امور غیبیہ کا ادراک کرنا اس کیلئے کوئی مشکل امر نہیں ہے جو چیز کہ اسکے وطن سے اسکو روکنے والی تھی یعنے حجاب ظلمانی نفس اور پردہ کثیف آب و گل وہ تو اسکے چہرہ پر سے اب اٹھ چکا ہے اور اب اسکے سامنے کوئی حائل و مانع باقی نہیں رہا جو اسکو علم سے اسکو روکے چنانچہ دیکھو خداوند تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الآیہ یعنے اپنی غیب کی باتوں پر کسی کو بجز اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے مطلع نہیں کرتا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے امور غیبیہ پر مطلع نہ ہونے کے کلیہ سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں اور جو لوگ ان کے خاص تابع وکامل پیرو ہونگے وہ بھی انکے ساتھ اس حکم میں شریک ہونگے اور وہ جماعت اہل اللہ وصوفیہ کرام کی ہے جسب الارشاد قولہ

اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ الآیہ جب عام طور پر یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ انبیاء کے متبعین انکے ساتھ شریک حال ہیں تو پھر خاص اور اخص الخواص وگروہ کا کیا پوچھنا وہ تو بدرجۂ اولٰی انکے ساتھ شریک ہیں نیز حدیث صحیح ہے کہ

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنے آدمی اسی کے ساتھ شمار ہوتا ہے جسکو وہ چاہتا ہے غرضکہ ایسے بیسیوں نصوص کتاب وسنت کے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سارے امور غیبیہ کا علم انبیاء علیہم السلام کیطرح انکی کامل پیروی کرنیوالی جماعت اہل اللہ صوفیہ کرام کو بھی ہوتا ہے بجز ان امور خاصہ کے جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان پر واقف ہونا مصلحت ایزدی کے خلاف ہے اسی لئے

دنیاوی کے خلاف ہے۔

غرض کہ خدا کا علم ذاتی اور اولیاء و انبیا کا علم وہبی و کسبی ہے۔

س (۹۷) ہمارے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جو سارے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت ہے کس وجہ سے ہے۔

ج (۹۷) کئی لحاظ سے آپ کو یہ فضیلت حاصل ہے منجملہ انکے ایک یہ ہے کہ آپ نے جو تعلیم دی ہے وہ تمام انبیاء و مصلحین عالم کی تعلیم سے کامل ترین اور جامع و مانع اور فطرت انسانی کے عین مطابق بلکہ اسکے مرادف ہے عقل انسانی خواہ کتنی ہی ترقی کرے مگر روحانی یا جسمانی ترقی یا تدریجی تعلیم آپکی تعلیم سے بڑھکر نہیں دے سکتی ہاں فقط اتنا ہی ہوگا کہ معقول انسانی کی ترقی اس تعلیم محمدی کے قریب پہنچتی جاتی ہے یا کم از کم اسکو سمجھتی جاتی ہے اور اسکی حقانیت اور صداقت کے قائل ہوتی جاتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور کی بعثت سب سے آخر ہوئی ہے اور حضور کی تعلیم سابقہ تعلیمات مختلفہ کو جامع و شامل ہے اور اصلاح کسی نبی یا مصلح کا ہو یا کسی اصلاح اور ہدایت کا دعوے نہیں کیا بلکہ ان میں سے ہر ایک ایک ہی

خاص خاص قوم کی ہی ہدایت و تعلیم کا دعوے کیا جس خاص غرض کیلئے مبعوث کیا گیا تھا بخلاف ہمارے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے بہ بانگ دہل تمام دنیا کی ہدایت کیلئے اپنے مبعوث ہونے کا دعویٰ فرمایا اور اپنی ذات سے بہت کچھ عملی طور پر سچ کر دکھایا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنے نہیں بھیجا ہمنے تم کو مگر رحمت کرکے سارے جہانوں کیلئے اور حدیث بعثت لاتمم مکارم الاخلاق کا نیز خود حضور اقدس کا ارشاد پاک ہے کہ اُرْسِلْتُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً یعنے میں بھیجا گیا ہوں ساری دنیا کے لوگوں کیلئے عموماً یہ تو تعلیم و علم کا لحاظ تھا اب لیجئے عمل اور اپنی ذات سے تمام دنیا کے لوگوں کے سامنے کامل انسانیت اور تہذیب و تمدن و اخلاق فاضلہ اور کمال ظاہری و باطنی کا عملی ثبوت دینا سو یہ بھی مثل تعلیم محمدی کے اپنی آپ ہی نظیر ہے اور ساری دنیا کے معلمین و انبیا کے طرز عمل پر اپنی ذہنی و عملی بجلی کی روشنی ڈال کر دیکھئے تو آپ کو اس طرز عمل محمدی کی کہیں نظیر و مثال اکمل طریقہ پر نہیں ملیگی کیونکہ حضور اکرم نے تمام مخالف دنیا کے سامنے انسان کامل کا نمونہ اس بہترین طریقہ اور آسان ترین طرز پر پیش کیا ہے

جسکی نظیر ملنا تو درکنار اسکے لگ بھگ بھی کسی فرد کامل میں نہیں پایا جاتا اور جسقدر دنیا ترقی کرتی جاویگی اسیقدر اسکی تصدیق و تحقیق ہوتی جائیگی اور اسکی صداقت وحقانیت کا سکہ تمام دنیا کے قلوب پر جمتا جائیگا۔

اگر آپ علوم الہیہ و احوال باطنی کے لحاظ سے ایک نظر تدقیق و تحقیق سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ذات والاصفات نہ فقط سرتاج عارفین ہی ہے بلکہ اسکے نام لیوا اطلعہ کبکو میں جماعت عارفین و کاملین کی ملیگی جسکی تعداد کا عشر عشیر بھی کسی دوسری قوم میں نہیں پایا جاتا اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو ذرا غور سے کتب تصوف اسلامی و تصانیف عرفان محمدی کو اٹھا کر دیکھ لے کہ کیا دوسری قوموں کی تصانیف بھی اسکے مقابلہ میں بلحاظ کثرت و بلحاظ معارف و اسرار حقیقت پاؤ پاسنگ کا رتبہ بھی پا سکتی ہیں ہرگز نہیں۔

س (۸۹) تمام کائنات عالم میں جو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو برتری حاصل ہے کس وجہ سے ہے۔

ج (۹۰) حضور کی حقیقت یعنے حقیقت محمدیہ در اصل وہی حقیقت جس سے تمام کائنات عالم کا ظہور ہوا ہے اور جس لحاظ سے آپ سے عرفاً و اصطلاحاً تم اعلے وعقل اول سے

تعبیر کیا جاتا ہے اگر آپ کی حقیقت کو بمنزلہ قلم مانو اور ساری کائنات عالم کو نقوش جو لوح محفوظ پر ثبت ہوئے ہیں تو ان سے یہ معمہ یقیناً حل ہو جائیگا کہ قلم ہی باعث ظہور نقوش ہوتا ہے ورنہ بغیر وساطت قلم کے ان نقوش گوناگون کا ظہور امر ناممکن و محال ہے۔ پھر ایسی ذات والاصفات کی برتری پر شبہ کیسے ہو سکتا ہے جسکا وجود اولاً و آخراً باعث ظہور عالم اور باعث ظہور خدائی ہے۔

اس آقائے نامدار کی غلامی قبول کرنے والوں نے جس طرح خدا کو سمجھا یا دنیا کو سمجھایا ہے اسکی نظیر کسی ماسبق زمانہ میں نہیں ملسکتی ؎

غلام نرگس مست تو تاجدارانند ۔ خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند
چہ وصف کند بندۂ ناتمام ؛ علیک الصلوٰۃ ای نبی والسلام۔

س (۹۹) خرقہ کی حقیقت کیا ہے۔

ج (۹۹) خرقہ لغت عربی میں پھٹے پرانے کپڑے کو کہتے ہیں یا وہ لباس جو مختلف چیتھڑوں سے سیا جاوے اور اصطلاح صوفیہ میں خرقہ مخصوص کپڑے کا نام ہے جو یا تو زمانے میں عام طور سے نیلے رنگ کا یا اور کسی رنگ کا جسے مرشد صاحب سمجھے مرید کو عطا

اسکی عنایت و توجہ زیادہ ہوتی بطور علامت مریدی یا خلافت کے پہناتا تھا اگرچہ یہ رسم
حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلفاء راشدین میں معہود نہ تھی مگر بعد بزرگان
دین نے ایک گہری مصلحت کی بناء پر اسکی بنا ڈالی اور وہ یہ ہے کہ مرید دراصل اپنے
آپ کو مرشد کے ہاتھ پر گویا بیچ ڈالتا ہے یا یوں کہئے کہ وہ مرشد کو اپنے احوال دین و دنیا کی
دیکھ بھال کرنے کی وجہ سے ایسا سمجھتا ہے جیسا کہ بچہ اپنے والدین کے ہاتھ میں ہوتا ہے
کہ اسکی حالات کی نگرانی ہر آں ماں باپ ہی کرتے ہیں حتے کہ وہ اُسے جو کھلائیں کھاتا ہے
اور جو پہنائیں پہنتا ہے اسیطرح جب مرید خالص کی حالت اس درجہ پہونچ جاتی ہے کہ وہ اپنے
شیخ کی بلا مرضی کوئی کام نہیں کرتا حتے کہ لباس میں بھی وہ اوسکی مرضی کے تابع
ہوتا ہے اور بطور شعار کے شیخ اپنے مرید کو اپنا لباس پہنا دیتا ہے کہ اب تم ہر طرح
اپنی ہر مرضی سے نکلکر میری ہی مرضی کے تابع ہوگئے تو گویا کہ وہ اپنی حالت خود اختیاری
سے نکلکر پیر کے تابع ہوگیا اور درجہ فنا فی الشیخ کو پہونچ گیا ہے اور چونکہ شیخ کامل
کی حالت سنت نبوی و شریعت مصطفوی ہوتا ہے تو اب مرید کے حق میں ایسے شیخ کی
اتباع کامل کرنا گویا عین اتباع کامل شریعت نبوی و سنت مصطفوی ہوئی اور عین

مقصود شریعت ہے لہذا اسکا جو شعار ہوگا وہ بھی مقصود شریعت میں داخل ہوگا۔ اگرچہ یہ رسم خیر القرون میں شائع تھی مگر اسکی اصل شریعت میں موجود ہے جو مذکور ہوئی۔

س (۱۰۰) خانقاہ کی حقیقت اور اسکے لوازمات کیا ہیں۔

ج (۱۰۰) خانقاہ کی اصل عہد نبوی کے ان حضرات فقراء صحابہ سے ہے جو گھر دار نہ رکھتے تھے اور جنکا کام راتدن دربار نبوی کی حضوری اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار پُرانوار سے مستفیض ہونا اور احکام خدا و رسول کی بجا آوری کیلئے سرتاپا مستعد و کمربستہ رہنا تھا یعنے انہوں نے بجا آوری ارشادات نبوی کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا انہیں کا نام تھا اہل صفہ جو مسجد نبوی کے کسی مقام سایہ دار میں رہا کرتے تھے جسکو صفہ کہتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکثر خانقاہیں مسجد ہی کے متصل تعمیر کیجاتی ہیں نیز خانقاہ کو عربی میں رباط کہتے ہیں اور رباط کے معنے ہیں سرحد پر دشمن کے دیکھ بھال کے لئے پڑاؤ ڈالے ہوے رہنے کے۔ ان حیثیات کے رو سے خانقاہ میں رہنے کی عادت جو صوفیہ کرام کی چلی آئی ہے اسکا اصل منشاء و مقصود یہی ہے کہ مرشد کامل کی صحبت اور جماعت سالکین اور صاحبدلوں کی رفاقت سے مستفیض ہونے اور

احکام [illegible] کی بجا آوری اور ترقی مدارج ظاہری و باطنی [illegible]

[illegible] شیطان کا ہر وقت [illegible]

[illegible] سے محفوظ رہنے کیلئے ہمیشہ اپنے کو ہوشیار و مستعد و کمر بستہ

رکھیں ارشاد خداوندی ہے۔

یاایھاالذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا یعنی اے ایمان والو خود بھی صبر کرو اور

صبر کرنے والوں کا ساتھ دو اور ہمیشہ دینی دشمنوں کی روک تھام میں مصروف رہو

[illegible] صوفیہ کیا ہیں۔

ج (۱۰۱) یہ پہلے بارہا بیان ہو چکا ہے کہ صوفیہ کرام دراصل سچے پیروان اسلام کا نام ہے

جنہوں نے ظاہراً و باطناً اپنے کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے

اور سرکار ہی کے اخلاق سے متصف ہونے کیلئے مخصوص و وقف کر دیا تھا لہذا ان کے

اخلاق پرتو اخلاق مبارک نبوی ہیں اور یہ ثابت ہے کہ حضور کے اخلاق مبارکہ تمام تر

قرآن ہی قرآن تھے بحسب حدیث کان خلقہ القرآن۔

لہذا ہدایات و تعلیمات قرآن کا مجسم نمونہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی

ہی سبکی پر تو علی اکمل الوجوہ صوفیہ کرام کے اخلاق میں ملتی ہے اور یہی

معنے ہیں اس ارشاد کے جو وارد ہے۔

تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنے اخلاق خدا سے متخلق ومتصف ہو جاؤ کیونکہ

یہ ظاہر ہے کہ اخلاق اللہ کا آئینہ قرآن پاک ہے جس کا سراپا خلق نبوی ہونا مسلم ہو چکا ہے

غرضکہ اخلاق صوفیہ غیر اخلاق نبوی نہیں ہو سکتے جبکہ سراپا قرآن سے اور جو اخلاق اللہ کا

جامع اور بمنزلہ آئینہ کے ہے لہذا اخلاق صوفیہ محض قرآن ہی کی روشنی میں واضح ہو سکتے

ہیں اور اسی کی تعلیمات فاضلہ وہدایات کاملہ کا سراپا ہیں۔

س (۱۰۲) اربعین یعنے چلہ کی اصل اور اسکی حقیقت کیا ہے اور اسکے کیا فوائد ہیں۔

ج (۱۰۲) جاننا چاہیئے کہ چلہ کی اصل قرآن پاک کے اس ارشاد سے ثابت ہے جو

قصہ حضرت موسیٰ میں مذکور ہے قولہ تعالیٰ۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا یعنے جب ہم نے وعدہ دیا موسیٰ کو تیس راتوں کا

بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً اور پھر پورا کیا انکو مزید دس راتوں سے اس طرح

پورا ہوا وعدہ ان کے رب کا چالیس راتوں سے یعنے علوم واسرار الٰہیہ جو بصورت

جو تورات حضرت موسیٰ کو ملنے والے تھے وہ ان چالیس راتوں کی تنہائی کے وعدہ کے

پورا ہونے کے بعد انہیں حاصل ہوئے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم و اسرار ربانی جو بصورت قرآن پاک حاصل ہوئے وہ آپ کی غار حرا والی تنہائی کے بعد حاصل ہوئے جو آپ سے قبل بعثت و دعوے نبوت صحیح حدیثوں میں ثابت ہے یہ تو اسکی اصل ہوئی جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہوتا ہے لیکن اب اسکی حقیقت و اصل غرض بھی جاننا چاہئے پس اصل غرض اسکی وضع سے وہی خلوت دل با خدا اور تنہائی اور جمعیت حاصل کرنا ہے جو صوفی کا لازمہ ہے کیونکہ آپ پہلی تحریروں میں پڑھ چکے ہیں کہ صوفی کا کام باوجود مشاغل زندگی مخلوق کے جو حقوق العباد سے متعلق ہیں ہر دم خدا ہی سے لو لگائے رہنا ہے اور یہ حاصل نہیں ہو سکتا جبتک وہ مشاغل زندگی میں رہکر جو موجب تفرقۂ دل ہے جمعیت خاطر پیدا کرنے کا گر نہ سیکھ لے کیونکہ یہ مشاغل ہمیشہ دل کی توجہ کو ہٹائے رکھنے کے موجب اور خدا سے مسلسل لو لگائے رکھنے سے مانع ہوتے ہیں لہذا اس جمعیت کے پیدا کرنیکا ایک بہترین ذریعہ ٹھہرایا گیا جو ایسا ہے کہ اس سے انسان کو آہستہ آہستہ ظاہری

و جسمانی طور سے سب سے الگ تھلگ رہکر ذکر و فکر خداوندی میں معروف رہنے کی عادت
پڑتی ہے جو رفتہ رفتہ اسکا مانوس و خوگر ہو جانے کے بعد اس سے جو وحشت طبعی پیدا
ہوتی ہے وہ جاتی رہتی ہے اور مسلسل مدام ذکر و فکر خدا میں مصروف رہنے کا عادی ہو جاتا
ہے اور پھر بتدریج مشاغل میں معروف رہکر بھی خلوت با خدا اور اسی سے لو لگائے
رہنے کا ڈھنگ سیکھ جاتا ہے جسے خلوت در انجمن کہا جاتا ہے اور یہی چیز صوفی کامل کا
جو کامل درجہ متبع سنت و سیرت نبوی ہوتا ہے عین مقصود ہے کیونکہ وہ جس طرح خدا کی
یاد سے کسی آن غافل نہیں ہو سکتا اور اتلاف حقوق اللہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا اسی طرح
وہ حقوق العباد و معاشرت با خلق کے اصول شرعی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور
یہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ خلوت در انجمن کے گر کو سیکھ لے اس کیلئے طریقہ
اربعین سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ اگر غور کیا جاوے تو مشروعیت
اعتکاف کا جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں مدام عادت تھی اور نیز مشروعیت
چلہ رمضان کا راز کھلجاتا ہے کہ کسطرح آدمی اعتکاف میں جورو بچوں سے تنہا رہکر
ذکر و فکر خدا میں مصروفیت کا عادی ہو سکتا ہے اور علی ہذا روزہ کی حالت میں تنہائی میں

از قسم اکل و شراب و جماع وغیرہ سے محض خدا ہی کیلئے باز رہنے اور نفس کی سرکشی کو توڑنے کی عادت پڑتی ہے اب اس تقریر سے آپ کو ان منافع و فتوحات کا اندازہ ہو سکتا ہے جو ایک صوفی اور طالب حق کو اس اربعین کی تنہائی و خلوت سے حاصل ہو سکتے ہیں جنکی تفصیل موجب تطویل ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔ اسی کے طرف اشارہ ہے۔

س (۱۰۳) صوفی مجرد اور صوفی متاہل کے کیا احوال ہیں۔

ج (۱۰۳) ہر چند کہ صوفی مجرد بہ نسبت صوفی متاہل کے زیادہ سبکدوش اور اہل و عیال کے فتنوں اور گوناگوں پریشانیوں سے فارغ بال ہے لہذا اسے توجہ الی اللہ کا بظاہر خوب موقعہ ملتا ہے مگر یہ بات آپ پہلے تقریروں میں پڑھ چکے ہیں کہ صوفی کا کمال درجہ یہ ہے کہ وہ متبع سنت نبوی و سیرت مصطفوی ہو کر حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کو نہایت عمدہ طریقہ سے پورا کرے اور دونوں جانب افراط و تفریط کو دخل نہ ہونے دے اور خلوت در انجمن کا مذاق جو انبیاء کرام و اولیاء کاملین کو حاصل تھا وہ اسے بھی حاصل ہو اور یہ بات تجرد میں حاصل ہو نہیں سکتی جیسے کہ ایک صوفی متاہل کو

حاصل ہوسکتی ہے کیونکہ باوجود موانع کے جب وہ ہر آن توجہ الی اللہ کو قائم رکھتا ہے تو اسکا درجہ بحسب حدیث

احب الاعمال الی اللہ عزوجل احمزها یعنے پسندیدہ ترین اعمال اللہ کے پاس وہ ہیں جنمیں سخت ترین مشقت ہو خدا کے ہاں بڑھ جائیگا اور یہ ظاہر ہے کہ جتنی مشقتیں ایک صوفی متاہل کو پیش آئینگی وہ صوفی مجرد کو پیش نہیں آتیں

— چنانچہ اسلئے انسان کامل کا درجہ فرشتوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے کیونکہ اس کی گردن پر مشاغل زندگی و جسمانی کا بھی بوجھ ہے جو مانع توجہ الی اللہ ہے بخلاف فرشتوں کے کہ وہ ان جھگڑوں سے فارغ البال اور سبکدوش ہیں حاصل یہ کہ صوفی متاہل کا درجہ صوفی مجرد سے بڑھکر ہے بشرطیکہ وہ اہل و عیال کیساتھ مجالست و مخالطت میں حد اعتدال سے نہ تجاوز کرے اور سررشتہ توجہ الی اللہ کو ہاتھ سے جانے دے اور اہل و عیال کی جو کچھ خدمت کرے اور ان کے ساتھ جو سلوک کرے وہ محض خدا کے خوشنودی کے خیال سے کرے جو اہل و عیال کے متعلق اس نے لگا دیئے جب اس خیال میں وہ پختہ ہو جائیگا تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ اسکے سارے مشاغل [illegible]

جو خدمت و پرورش اہل و عیال کے متعلق ہیں وہ عین عبادت خدائے تعالیٰ تصور اور باعث از دیاد و تقرب خدا ہو جائیں گے۔ نہ مانع تقرب الی اللہ چنانچہ حدیث شریف اَنّ لِنفسک علیک حقاً وانّ لزوجک علیک حقاً میں اسی طرف اشارہ ہے۔

س (۱۴) مرید کو شیخ کے ساتھ اور شیخ کو مرید کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے۔

ج (۱۴) یہ پہلے واضح ہو چکا ہے کہ شیخ حسب مقولہ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ اپنے مریدین میں وہی رتبہ رکھتا ہے جو پیغمبر اپنی امت میں رکھتا ہے۔ کیونکہ شیخ در اصل پیغمبر ہی کا نائب ہوتا ہے والنائب کالمنیب۔ نیز بیعت کا مقتضا جیسا سابق بیان گزر چکا ہے کہ مرید اپنے آپ کو شیخ کے ہاتھ پر گویا بیچ ڈالتا ہے اور اسطرح گویا وہ مثل مردہ کے زندہ کے ہاتھ میں یا مثل ایک بچے کے ماں باپ کے ہاتھ میں ہے اپنی خود اختیاری سے نکلکر شیخ کے اختیار میں چلا جاتا ہے۔ لہذا اب اس کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ مرید کو شیخ کے ساتھ کیا آداب مرعی رکھنے چاہئیں جبکہ شیخ مرید کے تمام معاملات دینی و دنیوی کے جزو کل کا مالک و مختار وسرپرست و ہادی بن گیا تو ظاہر ہے کہ اُسے اپنے مرید پر وہی کمال شفقت و توجہ ولی

لازم ہوئی جو ماں باپ کو اپنے بچے پر ہونی چاہئے یا ایک نبی کو اپنے امتی پر ہوا کرتی ہے
یہ ایک ایسا اصول ہے جسکے تحت سیکڑوں فروعات آجائینگے جنکی تفصیل کی یہاں گنجائش
نہیں کتب تصوف اس سے مملو ہیں نہ وہ اعمال تعبد و تذلل جو عام طور پر آج کل گدی
مرشدین اپنے مریدین سے لیتے ہیں۔

س (۱۰۵) صحبت کی حقیقت اور اسکی ضرورت کیا ہے۔

ج (۱۰۵) صحبت ہمنشینی کو کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آدمی فطرۃً مدنی الطبع پیدا ہوا ہے
وجہ سے ہمیشہ کسی نہ کسی کی صحبت میں ضرور رہتا ہے اور تنہائی سے طبعاً گریزاں ہوتا ہے
گرچونکہ یہ بھی ایک مسلم و متفق علیہ بات ہے کہ آدمی فطرۃً اپنے بچپن سے لیکر دم تک
ہمیشہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح ہے۔

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ۔ یعنے ہر بچہ فطرۃ اسلام ہی پر پیدا ہوتا ہے
فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ پھر اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی اسکے
ماں باپ ہی بناتے ہیں بچہ اس بات پر ناطق ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے انسان کو
پیدا ہوتے ہی والدین و دیگر اقرباہی کی صحبت ملتی ہے جن کے عادات و رسوم اخلاق سے

وہ متاثر ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ ہوشیار ہوتا ہے تو اسی طریقہ پر چلتا ہے جس پر کہ آگے ماں باپ وغیرہ چلتے ہیں جب یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ فطرت انسانی میں یہ مادہ متاثر ہونیکا رکھا گیا ہے تو ضرور ہوا کہ آدمی جس قسم کے فن کا ماہر بننا چاہے تو اسی قسم کے لوگوں کی صحبت اختیار کرے تاکہ ان لوگوں کے کمال کے حالات کو دیکھکر اس کی طبیعت متاثر ہوتی رہے اور آئندہ چلکر وہ بھی ماہر فن اور کامل بنجائے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کی پہلی نصیحت مریدین کو صحبت غیر جنس سے احتراز کرنے کی نسبت ہے۔ **شعر**

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

لہذا صوفیائے کرام و صالحین عظام کی صحبت عام طور پر سب کو بالخصوص مرید طالب حق کو سب سے زیادہ ضروری اور اہم شئے ہے اگر یہ ناممکن ہو تو کم از کم دیگر غیر جنس صحبت سے احتراز واجب و لازم ہوگا۔ علیٰ ہذا چونکہ کتب بینی بھی گویا ایک طرح سے مصنفین کی صحبت میں داخل ہے۔ لہذا اولیاء کرام کی تصانیف کا مطالعہ بھی ایسے لوگوں کیلئے جنہیں صحبت کاملین نصیب نہو بہا ضروری اور غنیمت ہے جو ایک گونہ صحبت کاملین کا فائدہ دیتا

غرضکہ طریق تصوف میں جو ہمارے دین اسلام کا اعلیٰ درجہ ہے صحبت صالحین پر
اسقدر تاکید و تشدید ہے جو کسی دیگر شے کی نہیں۔ دیکھو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے
عرب کے چند بدویوں دیہاتیوں کو کسطرح سرتاج صالحین عالم بنا دیا تھا اور آج بھی ہم مسلمان
یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے ولی بھی کسی صحابی کے درجہ کو فضیلت میں نہیں
پہنچ سکتے یہ محض صحبت ہی کی برکت نہیں ہے تو اور کیا ہے

پسر نوح با بدان بنشست — خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند — پے نیکاں گرفت مردم شد

راقم الحروف

بندہ ناچیز خاکپائے حضرات قادریہ شطاریہ قدس اللہ اسرارہم عاجز آثم سید محمد ابو القاسم کان اللہ لہ

مقام

اندرون احاطہ موتی باؤلی بلدہ محلہ حسینی علم

۲۶ / ۳۲۵

المرقوم ۲۴ صفر ۱۳۵۳ ہجری